اردو ڈراما اور معاشرتی حقائق: منتخب ٹی وی ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی

Urdu Drama and Social Realities: Portrayal of the Lives of Transgender People in Selected TV Dramas

مقالہ برائے ایم فل (اُردو)

مقالہ نگار:

شمائلہ ندیم

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست، ۲۰۲۴ء

اردو ڈراما اور معاشرتی حقائق: منتخب ٹی وی ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی

Urdu Drama and Social Realities: Portrayal of the Lives of Transgender People in Selected TV Dramas

مقالہ برائے ایم۔فل (اردو)

مقالہ نگار:

شمائلہ ندیم

یہ مقالہ

ایم فل (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست، ۲۰۲۴ء

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے۔
وہ مجموعی طور پر مقالہ نگار کی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ عنوان: اردو ڈراما اور معاشرتی حقائق منتخب ٹی وی ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی

پیش کار: شمائلہ ندیم رجسٹریشن نمبر: 35/MPhil/Urd/F21

ماسٹر آف فلاسفی

(شعبہ اردو زبان وادب)

ڈاکٹر نعیم مظہر ____________________

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی ____________________

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

تاریخ: ____________________

اقرار نامہ

میں شمائلہ ندیم اقرار کرتی ہوں کہ مقالہ ہذا بعنوان ''اردو ڈراما اور معاشرتی حقائق منتخب ٹی۔وی ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی'' میرا ذاتی کام ہے۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے ایم فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر نعیم مظہر کی زیر نگرانی کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام اس سے پہلے کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں حصول سند کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ ہی آئندہ کروں گی۔

شمائلہ ندیم

مقالہ نگار

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالہ کے دفاع اور منظوری کا فارم	III
اقرار نامہ	IV
فہرست ابواب	V
Abstract	VII
اظہار تشکر	IX
باب اول: موضوع تحقیق کا تعارف، بنیادی مباحث	۱
الف۔ تمہید	۱
۱۔ موضوع کا تعارف	۱
۲۔ بیان مسئلہ	۲
۳۔ مقاصد تحقیق	۲
۴۔ تحقیقی سوالات	۳
۵۔ نظری دائرہ کار	۳
۶۔ تحقیقی طریقہ کار	۴
۷۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق	۵
۸۔ تحدید	۵
۹۔ پس منظری مطالعہ	٦
۱۰۔ تحقیق کی اہمیت	٦
بنیادی مباحث	۷
ب۔ ڈرخائم کے نظریے "معاشرتی حقائق" کے تناظر میں منتخب ٹی وی ڈراموں کا مطالعہ	٦
ج۔ خواجہ سراؤں کی سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور مسائل کی عکاسی (مختصر جائزہ)	۳۵
حوالہ جات	۵۲

باب دوم: منتخب ٹی۔وی ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی پیشکش کا جائزہ ۵۵
الف۔ ''الف اللہ اور انسان'' میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی پیشکش کا جائزہ ۵۵
ب۔ ''خدا میرا بھی ہے'' اور ''سرراہ'' میں خواجہ سراؤں کے سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ ٦٦
حوالہ جات ۸۹
باب سوم: حقیقی زندگی اور ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی اور مسائل کی نوعیت و محرکات کا تقابل ۹۰
الف۔ خواجہ سراؤں کی حقیقی زندگی اور منتخب ٹی۔وی ڈراموں کے اشتراکات کا جائزہ ۹۱
ب۔ حقیقی اور منتخب ٹی۔وی ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کے افتراکات کا جائزہ ۱۰۵
حوالہ جات ۱۱۲
باب چہارم: ماحصل ۱۱۳
الف۔ مجموعی جائزہ ۱۱۳
ب۔ تحقیقی نتائج ۱۱٦
ج۔ سفارشات ۱۱۸
کتابیات ۱۲۰

ABSTRACT

This research delves into the complex social, economic, and psychological challenges faced by the transgender community, with a particular focus on the systemic discrimination they encounter based on their gender identity. The study examines the fundamental rights that are often denied to transgender individuals, which perpetuates their marginalization in society.

Through an analysis of selected dramas, the research sheds light on the stereotypical perceptions, gender discrimination, and societal exclusion that transgender people face. These dramas serve as a lens to understand the multifaceted issues within the transgender community, ranging from access to education and employment to the right to a dignified existence. The study highlights the discrepancy between the on-screen portrayal of these issues and the harsh realities faced by transgender individuals in real life.

Key areas of focus include the transgender community's struggle for recognition and acceptance in society, the challenges they face in securing education and employment, and their experiences of verbal and physical abuse. The research also explores the deep-rooted stigma and discrimination that hinder their access to basic rights, such as housing and healthcare, which further exacerbates their vulnerability to exploitation and abuse.

By drawing on Émile Durkheim’s theory of social facts, the research contextualizes the societal attitudes and behaviors that contribute to the continued marginalization of transgender individuals. The findings suggest that the lack of recognition and protection of their rights not only leads to social and economic exclusion but also contributes to severe psychological distress, manifesting in anxiety, confusion, and in extreme cases, self-harm or suicide.

Ultimately, the study calls for a more compassionate and inclusive approach towards the transgender community, advocating for systemic changes that ensure their rights and dignity are upheld in all aspects of life. It emphasizes the need for greater awareness, education, and legal reforms to address the inequalities faced by transgender individuals, thereby fostering a more just and equitable society.

اظہار تشکر

اس مقالے کی تکمیل کے لیے میں خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثنا اور بے حد شکر گزاری کے اظہار کے بعد اس مقالے کے لیے اپنے نگران مقالہ ڈاکٹر نعیم مظہر صاحب کی انتہائی ممنون و مشکور و مقروض ہوں۔ جنہوں نے ابتدا سے اب تک ہر قدم پر میرا ساتھ دیا، ہر مرحلے پر ان کی شفقت و محبت میرے شامل حال رہی اور مجھے جس وقت بھی ان کی ضرورت محسوس ہوئی وہ تمام کاموں کو پس پشت ڈال کر میری مدد کے لیے موجود رہے۔

یہ تحقیقی مقالہ میرے والدین کی دعاؤں کا ثمر ہے۔ جن کی دعاؤں سے میں اس قابل ہوئی۔ اپنے والدین کی نہایت ہی زیادہ شکر گزار ہوں۔ اپنی والدہ جنہوں نے اپنی آغوش سے لے کر اس مرحلے تک قدم قدم پر میری حوصلہ آفزائی کی، میری لغزشوں کو صرف نظر کیا اور مہربان و معاف کرنے والے خدا کی طرح میرے عیوب کی پردہ پوشی کی۔ ان کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ اپنے والد محترم جنہوں نے اپنی علمی بصیرت سے مجھے ابتدائی تعلیم سے لے کر تحقیقی سفر کی طرف والہانہ اظہار محبت سے راغب کیا۔ والدین کی سبق آموز صحبتیں اور زندگی کی مشکلات سے مقابلے کی ترغیب نے میرے عزم و حوصلے کو جن نئے راستوں سے آشنا کیا اس سے میرا مشکل سفر آسان سے آسان تر ہوتا گیا۔ اپنے بہن بھائیوں کی بھی شکر گزار ہوں جو ہمیشہ میرے لئے محبت و شفقت کا سرچشمہ رہے اور میری زندگی کے لئے متفکر رہے۔ ان تمام کا شکریہ فرداً ادا کرنا میر افرض ہے۔

میں اپنے دوستوں کی خاص طور پر شکر گزار ہوں۔ جن میں سمعیہ ثانی، جویریہ مریم، مقدس اسد، ماہم وحید اور اشتیاق حسین ہمیشہ سر فہرست رہیں گے، جنہوں نے ہر قدم پر میرا حوصلہ بڑھایا اور میرے لیے کتابوں کی فراہمی کو آسان اور سہل بنایا۔ اور جنہوں نے اپنے لیے مختص وقت میں سے مجھے یہ مقالہ مکمل کرنے کا موقع دیا اور نہ صرف میری از حد مصروفیات پر خندہ پیشانی سے پیش آئے بلکہ میرے کام کے حوالے سے مجھے تحریک دی تاکہ میں جلد از جلد اپنا کام مکمل کر سکوں۔

پیش نظر موضوع "اردو ڈراما اور معاشرتی حقائق: منتخب ٹی وی ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی

عکاسی" بہت زیادہ تحقیق طلب اور تفصیل کا متقاضی تھا اور قلیل وقت میں اس وسیع موضوع کو سمونا دریا کو کوزے میں بند کر دینے کے مترادف بھی ہے۔ اس کے باوجود میں سمجھتی ہوں کہ یہ ایک طالب علمانہ کاوش ہے۔ اس میں اغلاط بھی ہوں گی اور لغزشیں بھی لیکن میں امید رکھتی ہوں کہ میری اس کاوش کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

شمائلہ ندیم
سکالر ایم۔ فل اُردو

باب اول:

موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

الف۔ تمہید:

i۔ موضوع کا تعارف:(Introduction)

مخنث یا خواجہ سرا سماج کا ایک ایسا طبقہ ہے جنہیں ان کی جسمانی ساخت سندھی شناخت کے اعتبار پر ہمیشہ تفریق کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ان کے بنیادی سماجی حقوق معطل کئے گئے ہیں۔تاریخی طور پر دیکھا جائے تو خواجہ سراؤں کی سماجی حیثیت بدلتی رہی ہے۔ مختلف تہذیبوں میں اور مختلف عہد میں ان کو الگ الگ طریقے سے امتیازی سلوک اور امتیازی شناخت کا نشانہ بنایا گیا۔اور ان کے ساتھ مختلف سلوک رواں رکھے گئے۔

خواجہ سراؤں کو زندگی میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ان کے والدین انہیں قبول کرنے سے انکاری ہوتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ ہمارے معاشرے میں ان کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ایسے بچے والدین کا پیار تو حاصل کر سکتے ہیں مگر باقی تمام رشتوں سے محروم رہتے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں، خاندانی تقریبات میں، گھروں میں۔ تعلیمی سطح پر، غرض ہر جگہ ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔انہیں صرف ناچ گانے یا پھر بھیک مانگنے کی ہی اجازت ہوتی ہے۔ہمیشہ ان کی حق تلفی کی جاتی ہے۔خواجہ سرا کمیونٹی کا کہنا ہے کہ تیسری جنس قرار دے کر انہیں نظر انداز کیا جارہا ہے۔آج کے دور میں بہت سے خواجہ سرا اپنے حق کے لیے آواز بلند کر رہے ہیں اور ایسی بہت سی اینجیوز ہیں جو ان کے حقوق کے لیے سر گرم ہیں۔خواجہ سراؤں پر آرٹیکل لکھے جارہے ہیں۔ جن میں ان کو تمام انسانی حقوق دینے کی بات کی گئی ہے۔حالیہ چند مہینوں سے خواجہ سراؤں کے معاشی مسائل، حقوق کے تحفظ، معاشرتی ناہمواریوں اور سماجی مسائل پر تبصرے ہو رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ خواجہ سراؤں کے مسائل پر حکومتی سطح پر اقدامات بھی کیے جا رہے ہیں۔

دیکھا جائے تو آرٹیکل کے ساتھ ساتھ خواجہ سراؤں کی زندگی پر مبنی ناول، افسانے، فلمیں اور ڈرامے بھی لکھے جارہے ہیں۔ ٹیلی ویژن کی سکرین پر نشر ہونے والے ڈراموں میں ہمارے سماجی، سیاسی، معاشرتی، معاشی مسائل کی جہاں بات کی جارہی ہے وہیں خواجہ سراؤں کی زندگی سے متعلق چند ڈرامے بھی منظر عام پر آئے ہیں۔ مجوزہ تحقیقی مقالے میں تین ڈراموں کا ذکر کیا جائے گا۔ جن میں "الف اللہ اور انسان"، "خدا میرا بھی ہے" اور "سر راہ" شامل

ہیں۔

ii۔بیان مسئلہ:(Statement of Problem/Thesis Statement)

ناول،افسانہ اور ڈراما میں انسان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ڈراما چوں کہ واقعات اور کرداروں کے باہمی ربط سے تشکیل پاتا ہے اور اس میں معاشرے کے مختلف مسائل کو براہ راست اور فوری قاری کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ہمارے ہاں بہت سے مسائل پر بے شمار ڈرامے ملتے ہیں۔جن کو ٹیلی ویژن سکرین پر بھی نشر کیا جاتا ہے۔پاکستان میں آج تک ٹیلی ویژن کے فن سے متعلق کوئی تحقیق نہیں ملتی۔ٹیلی ویژن کے ذریعے ہی ہم ڈرامے کو پہچان سکتے ہیں۔ڈرامے کے ابلاغ کا سب سے موثر ذریعہ ٹیلی ویژن ہے۔مجوزہ تحقیق کام میں منتخب ٹیلی ویژن ڈراموں ("الف اللہ اور انسان"، "خدا میرا بھی ہے"، "سر راہ") میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی سے متعلق مطالعہ کیا جائے گا کہ خواجہ سراؤں کو زندگی میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کو صرف ناچ گانے اور بھیک مانگنے تک محدود کر دیا جاتا ہے۔مجوزہ تحقیقی کام میں دیکھا جائے گا کہ ہمارے ہاں خواجہ سراؤں کے زندگی کے کن کن پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے اور اس تحقیق سے ادب میں کیا اضافہ ہوا؟ کیا ٹی وی ڈراموں میں دکھائی گئی خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی حقیقی زندگی سے مطابقت رکھتی ہے؟اس موضوع سے متعلق پہلے کوئی کام نہیں کیا گیا اس لئے اس موضوع کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

iii۔مقاصد تحقیق:(Research Objectives)

مجوزہ تحقیقی مقاصد درج ذیل ہیں.

۱۔ منتخب ٹی وی ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی پیشکش کا جائزہ لینا۔

۲۔ خواجہ سراؤں کو درپیش معاشرتی و معاشی مسائل کی نوعیت اور محرکات کا تجزیہ کرنا۔

۳۔ حقیقی زندگی اور ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی پیشکش اور مسائل کی نوعیت و محرکات موازنہ کرنا۔

iv۔ تحقیقی سوالات:(Research Questions)

مجوزہ تحقیقی مقالے کے لیے درج ذیل سوالات کو مد نظر رکھا گیا۔

۱۔ منتخب ٹی وی ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگ کو کس طرح پیش کیا گیا؟

۲۔ خواجہ سراؤں کو کن معاشرتی و معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

۳۔ حقیقی زندگی اور ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی اور مسائل کا موازنہ کن نکات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا جا سکتا ہے؟

v۔ نظری دائرہ کار:(Theoretical Framework)

مجوزہ تحقیقی کام منتخب ٹیلی ویژن ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی سے متعلق ہے کہ ہمارے ہاں ٹیلی ویژن ڈراموں میں خواجہ سراؤں کے کن مسائل کو سامنے لایا گیا ہے۔اس موضوع پر تحقیق کے لیے ڈیوڈ ایمائل ڈرخائم کے معاشرتی حقائق کا نظریہ(Theory of social facts)جو کہ ان کی کتاب "The Rules Of Sociological Method"میں موجود ہے کو مد نظر رکھا جائے گا۔ایمائل ڈرخائم نے سماجی اصول میں تحقیقی فکر و نظر کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ان کو اہم ماہرین سماجیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ہر سماج میں موجود نظریے، احساسات اور جذبات دوسرے سماج سے مختلف ہوتے ہیں۔ڈرخائم کا کہنا ہے کہ سماج کے لئے کچھ معیار مقرر کرنے پڑتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ ہر فرد ان کے نظریے سے متفق ہو۔

ڈرخائم کے مطابق کسی بھی معاشرے کی تشکیل اس کے متفقہ اقدار کے ذریعے ہوتی ہے۔ڈرخائم کا کہنا ہے کہ سماجی ادارے جیسے کنبہ، تعلیم، میڈیا اور پیشوں کی وجہ سے ہمارے طرز عمل کی تشکیل ہوتی ہے، اگر اس نظریے کی مثال دی جائے تو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جیسے ایک جسم میں موجود تمام اجزاء اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں، اسی طرح معاشرہ بھی افراد کے کلی طور پر مل جل کر کام کرنے سے تشکیل پاتا ہے۔دل، گردہ، معدہ اور دماغ جو کہ ایک انسانی جسم کے اہم اجزا ہیں اسی طرح تعلیم، میڈیا، خاندان اور معیشت وغیرہ معاشرے کے لیے اہم سمجھے جاتے ہیں۔ڈرخائم کے نظریے میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ معاشرے کی روایات و اقدار کو تسلیم کر لینے سے ہی ایک صحت مند معاشرہ وجود میں آتا ہے یعنی معاشرے کے صحت مند رہنے کے لئے اس کے تمام اجزاء کا اجتماعی طور پر کام کرنا ضروری ہے اور اگر کوئی بھی ایک حصہ اپنا کردار ادا کرنے سے منحرف ہو جائے تو معاشرہ ناکارہ ہونا شروع ہو جاتا ہے مختصر بات کی جائے تو ڈرخائم کا کہنا تھا کہ ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لئے تمام اجزاء کا اجتمائی طور پر کام کرنا بے حد ضروری ہے۔

مجوزہ تحقیق میں ایمائل ڈرخائم کے سماجی نظریے کو مد نظر رکھتے ہوئے منتخب ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی

زندگی کی عکاسی کا جائزہ لیا جائے گا۔ تحقیقی نظری دائرہ کار کے نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ معاشرہ افراد کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک اکائی ہے. معاشرے میں رہنے والے افراد کو مل جل کر معاشرے کی تشکیل میں کردار ادا کرنا چاہیے.

۲۔ ایمائل ڈرخائم سب سے زیادہ زور معاشرتی حقائق کے مطالعے پر دیتا ہے۔ ڈرخائم کا کہنا ہے کہ معاشرتی حقائق کی سمجھ بوجھ ہونا ضروری ہے اور انفرادیت کی بجائے اجتماعیت پر مبنی فیصلے ہونے چاہیے۔

۳۔ کسی بھی سماج کی ترقی کا دارومدار باہمی اشتراک پر مبنی معاشرے کی تشکیل پر ہے اور پاکستانی سماج کی بنیاد بھی باہمی اشتراک پر استوار ہونی چاہیے۔

۴۔ ڈرخائم نے اخلاقیات کو بھی سماج کے لیے اہم قرار دیا ہے۔

مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں منتخب ٹیلی ویژن ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی سے متعلق مطالعہ کیا جائے گا. نیز مجوزہ موضوع پر موضوع سے قریب تر تحقیقی مواد سے بھی استفادہ کیا جائے گا. مقالے کو پایا تکمیل تک پہنچانے کے لیے بنیادی مآخذ میں اردو کتب و رسائل و جرائد کے علاوہ یوٹیوب چینل جن پر ان ناموں کی اقساط نشر کی گئی ہیں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

vi۔ تحقیقی طریقہ کار:(Research Methodology)

مجوزہ تحقیقی کام کے تحت مطالعے کے سلسلے میں مختلف کتب خانوں اور جامعات سے استفادہ کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ سوشل میڈیا کا بھی استعمال کیا جائے گا۔ تاکہ مجوزہ موضوع کے تحت دیئے گئے ڈراموں کی اقساط دیکھی جا سکیں۔ ثانوی ماخذ میں مختلف تحقیقی و تنقیدی کتب، اخبارات، رسائل و جرائد، مقالہ جات، انگریزی کتب اور اہم ویب گاہوں سے استفادہ کرنا بھی شامل ہے۔ مجوزہ تحقیقی طریقہ کار میں خواجہ سراؤں سے انٹرویوز/سوالنامے کو بھی شامل تحقیق کیا جائے گا۔

مجوزہ تحقیقی کام کے لیے موادی تجزیے کے طریقے یعنی(content Analysis method)کا انتخاب کیا جائے گا۔ اس طریقہ کار میں مواد کے اجزا کو جمع کرکے اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ تحقیق کے مواد(content)میں چند خواجہ سراؤں سے انٹرویو بھی شامل کیے جائیں گے۔ اس قسم کے طریقے کو کیفیتی طریقہ تحقیق (Qualitative Method) کہتے ہیں۔ اس طریقہ کار کی مدد سے مقالے کو زیادہ قابل فہم اور قابل قبول بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مجلہ تحقیق کام کے تحت تحقیقی و تنقیدی مطالعہ اطلاقی بھی ہوگا اور نظری دائرہ کار میں

پیش کیے گئے معاشرتی حقائق کے نظریہ کے تحت W.D.Halls کی ترجمہ شدہ کتاب The Rules Of Sociological Method کو مد نظر رکھا جائے گا۔ڈرخائم کے معاشرتی حقائق کے نظریے کو مد نظر رکھتے ہوئے منتخب ٹی وی ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی کا تجزیہ کیا گیا۔

vii۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق:(Works Already Done)

مجوزہ تحقیقی موضوع پر ابھی تک کام نہیں ہوا۔خواجہ سراؤں کے حقوق پر بے شمار آرٹیکل لکھے جارہے ہیں لیکن رسمی اور غیر رسمی کسی بھی سطح کا تحقیقی و تنقیدی کام دیکھنے کو نہیں ملتا۔البتہ ڈراموں میں عورتوں کا کردار/ عورتوں کے مسائل کا ذکر ملتا ہے۔ماقبل تحقیق میں "پاکستان ٹیلی ویژن کے سلسلہ وار اردو ڈرامے میں پنجاب اور سندھ کے جاگیر دارانہ سماج کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ" پر مبنی پی ایچ ڈی کی سطح پر کام ملتا ہے.اس کے علاوہ "لاہور ٹیلی ویژن سنٹر کے منتخب اردو ڈرامے (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)" پر مبنی ایم فل کی سطح پر کام ملتا ہے مگر ٹیلی ویژن ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی پر جامعات کی سطح پر کوئی کام نہیں کیا گیا ہے۔لہذا اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے اس موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔

۱۔ فیاض اللہ، فرہنگِ اصطلاحات "خواجہ سرا" مع مقدمہ و توضیحات، مقالہ برائے ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۲۰ء

viii۔ تحدید:(Delimitation)

مجوزہ تحقیقی کام میں ٹیلی ویژن کے منتخب ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی شامل ہے۔ان ڈراموں میں "الف اللہ اور انسان" (قیصرہ حیات)، "خدا میرا بھی ہے" (آسما نبیل) اور "سر راہ" (عدیل رزاق) شاملِ تحقیق ہیں۔ہم ٹی وی اور اے آر وائی ڈیجیٹل پر نشر ہونے والے منتخب ڈراموں میں خواجہ سراؤں کے معاشی، اخلاقی، جنسی، معاشرتی اور سماجی استحصال سے متعلق تحقیق کی جائے گی۔ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی بھی کی جائے گی۔دونوں چینلز پر دکھائے گئے خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی پر مبنی ڈراموں کے مابین موازنہ کیا جائے گا۔اس کے ساتھ ہی ڈراموں اور حقیقی زندگی میں خواجہ سراؤں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور مسائل کا بھی تقابل کیا جائے گا اور آخر میں ان سب مسائل کا ڈرخائم کے "معاشرتی حقائق" کے نظریے کو پیش نظر رکھتے ہوئے مطالعہ کیا گیا ہے۔

ix۔ پس منظری مطالعہ:(Literature Review)

پس منظری مطالعہ کے لیے ٹیلی ویژن اور ڈراما پر ہونے والے تحقیقی کام کو مد نظر رکھتے ہوئے کام کیا جائے گا۔مزید منتخب ٹیلی ویژن ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی کو ڈرخائم کے معاشرتی حقائق کے نظریے کے تناظر میں دیکھا جائے گا۔اس کے علاوہ انگریزی کتب کو ڈرخائم کے معاشرتی حقائق کے نظریے کو سمجھنے کے لیے مد نظر رکھا گیا ہے۔ نیز فارینہ الماس، "زندگی سماج اور تخلیقیت (سماجی تنقید)،، بک ٹائم، کراچی، ۲۰۱۸ء کی مدد سے سماجی مسائل سے آگاہی حاصل کی جائے گی تاکہ مجوزہ تحقیقی کام کو زیادہ بہتر بنایا جاسکے۔

x۔ تحقیق کی اہمیت:(Significance of Study)

منتخب ٹیلی ویژن ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی پر تحقیقی و تنقیدی کام منفرد مقام کا حامل ہے۔ٹیلی ویژن پر دکھائے گئے ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان کو درپیش مسائل کی عکاسی اس تحقیق کا خاصہ ہے۔ مجوزہ تحقیقی کام سے قارئین کی توجہ خواجہ سراؤں کے مسائل کے حل کی طرف بھی مرکوز ہو گی۔ادیب چوں کہ اپنے معاشرے اور ارد گرد کے مسائل کو ہی اپنے تحقیقی کام کا موضوع بناتا ہے۔اس لیے ادب میں اس موضوع کا مطالعہ بھی بے حد ضروری ہے۔

بنیادی مباحث:

انسان اپنی ترقی کے ارتقائی سفر میں مختلف تاریخی موڑ سے گزرا ہے اور عورت کی برتری، مرد کی تمام ذمہ داریوں کو اپنے سر لینے کے بعد بالادستی کا دور، اس قسم کے مختلف موڑ سے ہوتی ہوئی انسانی زندگی ترقی وافزائش کے مراحل طے کرتی رہی۔اس دوران ہم نے کبھی اس طبقے کی زندگی پر غور ہی نہیں کیا جو ابتدائے آفرینش سے انسانی نسل میں موجود ہے۔اس طبقے کو ہمیشہ مسترد کیا گیا، بہت سے اہم معاملات میں انہیں نظر انداز اور ذلیل ورسوا کیا گیا۔ایک ایسا طبقہ جو عورت ہونے کے مرتبے سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ مرد ہونے کی پہچان سے بھی بے بہرہ ہے۔اس طبقے کے رکن کے لیے عام اصطلاح میں ہیجڑے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

ہیجڑا جو کہ مرد اور عورت کے درمیان ایک ایسی تیسری جنس ہے جو تخلیق کے عمل جیسے اوصاف سے محروم ہوتی ہے۔اس تیسری نسل کو دنیا بھر میں کمتر سمجھا جاتا ہے مگر دیکھا جائے تو پاکستان میں موجود اس تیسری جنس کو

مختلف قسم کے رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے انہیں شودر کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔اس طبقے کو کبھی مکمل طور پر معاشرتی سرگرمیوں میں شامل نہیں کیا گیا۔انہیں اکثر سڑکوں پر بھیگ مانگتے یا شادی بیاہ کے موقع پر ناچ گانا کرتے ہی پایا جاتا ہے۔ہر طرف سے تنقید یعنی ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ ان کے ساتھ جو رویہ رواں رکھا جاتا ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں توانسان ہی تصور نہیں کیا جاتا۔خواجہ سراؤں کو عجیب مخلوق گمان کیا جاتا ہے۔

ہیجڑا،اردو زبان میں اس لفظ کے لیے مختلف الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی کھسرا،تو کبھی خواجہ سرااور زنخا لفظ کا چناؤ بھی کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ مخنث بھی اسی طبقے کے افراد کے لیے استعمال کیا جانے والا لفظ ہے۔"خواجہ سرا" لفظ "کھسرا" کی بگڑی شکل ہے جو کہ فارسی زبان کا لفظ "خواجہ" اور "سرا" دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔اس طبقے کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو بہت سے حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں۔خواجہ سراؤں کی تاریخ سے ہم پر یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ ان میں چونکہ زنانہ پن پایا جاتا ہے اس لیے ان کو زنان خانے کی نگرانی پر مامور کر دیا جاتا تھا۔اس روایت کو ماضی کے مہاراجاؤں، بادشاہوں اور راجوں نے عام کیا۔مہاراجے، بادشاہ اور راجے ایسے افراد کا انتخاب اپنے حرموں کی نگرانی کے لیے کیا کرتے تھے یہ خواجہ سرا پیدائش سے ہی نہ مرد ہوتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان میں نسوانیت کے رنگ جھلکنے لگے۔خواجہ سرا بھی مختلف ادوار سے گزرے ہیں۔ کبھی عزت و وقار سمیٹا، تو کبھی ذلت و رسوائی سے دوچار ہوتا پڑا اور یہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنے انداز بدلتے گئے۔ہندوستان میں موجود ہندوؤں کی بات کی جائے تو ہندو انہیں دیوی کے روپ میں تصور کرتے تھے۔ مگر بعض جگہوں پر ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔بات یہیں ختم نہیں ہوتی، خواجہ سرا تاریخ میں جنگجوں بھی رہ چکے ہیں۔انہوں نے مختلف مہمات میں اپنے بادشاہوں، مہاراجاؤں اور راجاؤں کا ساتھ دکتا۔خواجہ سرا مغلیہ دور میں اپنا اکی خاص مقام بنانے میں کامیاب رہے۔انہیں مختلف عہدوں پر تعینات کیا گیا مگر انہیں اکی مخصوص کام سونپا گیا جو کہ حرموں کی نگرانی کا تھا۔جوں جوں وقت گزرتا گیا انہوں نے محلات سے نکلنا شروع کر دیا۔اسی طرح مغلیہ دور کا جائزہ لینے سے معلوم پڑتا ہے کہ اسی دور میں خواجہ سراؤں نے اپنے لیے ایک الگ زبان اور قواعد و قوانین تجویز کیے۔چونکہ یہ دور محمد شاہ کی تنزلی کا دور تھا اس کی وجہ محمد شاہ کا رنگین مزاج تھا۔

اختر حسین بلوچ اپنی کتاب تیسری جنس میں رقم طراز ہیں:

> ''ہمارے ہندوستان میں محمد شاہ رنگیلے کے وقت سے اس فرقے نے رونق پکڑی۔کیونکہ بادشاہ مذکور نے محلوں میں آنے جانے کے واسطے قلماقنیوں، ترکنوں، جسولینوں یعنی یساولینوں وغیرہ کے بجائے ایسے ہی لوگوں کو مقرر فرما کر "ناظر" اور "خواجہ" کے لقب سے

ملقب کیا جیسے ناظر محبوب علی خاں، وزیر بہادر شاہ، ناظر بسنت علی خاں، وزیر شاہ عالم، ناظر بلال علی خان، ناظر محفوظ علی خان وغیرہ وغیرہ۔اسی عہد میں جب کثرت سے یہ لوگ ہو گئے اور دیکھا کہ محمد شاہ کو راگ رن میں بہت شوق ہے۔ تو ان لوگوں نے ناچنا گانا اختیار کیا اور اپنا ایک علاحدہ ہی فرقہ مقرر کر کے میر بہوجی ایک خنثے کو، جسے میر بھچڑی کہنے لگے، اپنا ہیرو قرار دیا۔ وہ گرو بنے یہ چیلے کہلائے اور آگے کو گرو اور چیلے کا سلسلہ چلا اور ان سب کا سردار "بادشاہ" کہلایا۔ لاوارث ہیجڑے کا مال یعنی جس کا گرو یا چیلا زندہ نہ ہوتا بادشاہ کے سپرد کیا جاتا اور ہر قسم کی آمدنی میں بادشاہ کو بطور خراج کچھ دیا جاتا ہے۔"[1]

خواجہ سراؤں سے گفتگو کے دوران ان کی تاریخ سے متعلق جاننے کی کوشش کی گئی تو ہمیں یہی معلوم ہوا کہ خواجہ سرا کو بادشاہوں کے حرموں کی نگرانی پر مامور کیا جاتا رہا ہے. پرانے وقتوں میں انہیں خاص اہمیت دی جاتی رہی ہے. خواجہ سرا جنگوں میں بھی اپنی خدمات سرانجام دیتے تھے. بہت سے خواجہ سرا بے شمار فتوحات حاصل کرنے میں معاون ثابت ہوئے. دربار میں انہیں ایک خاص مقام حاصل تھا اور انہیں قابل اعتماد سمجھا جاتا تھا۔

اسی بات کی تصدیق ایک خواجہ سرا نے انٹرویو کے دوران کچھ اس انداز سے کی:

"خواجہ سرا قدیم زمانے میں شہنشاہوں کے سب سے زیادہ مراعات یافتہ اور قابل اعتماد کوریئر تھے. لیکن جانتے ہیں کہ اب انہیں قابل نفرت مخلوق تصور کیا جاتا ہے۔"[2]

اسی طرح یہ ہیجڑے نومولود کی پیدائش پر اس کے گھر جا کر ناچ گانا کرتے ہیں۔ خواجہ سرا طبقہ کو جوں ہی معلوم پڑتا ہے کہ اس گھر میں بچے کی پیدائش ہوئی ہے تو وہ وہاں جا کر تالیاں پیٹتے ہوئے بچے کی لمبی زندگی کے لیے دعا دیتے ہیں اور ساتھ ہی ان سے معاوضہ وصول کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی آمدنی ہوتی رہتی ہے۔ پرانے وقتوں میں خواجہ سراؤں کے گھر گھر جا کر نومولود بچے کی پیدائش پر گانے گانا، ان کو دعائیں دینا ان سب باتوں کو اچھا گردانا جاتا تھا۔ بعض لوگ تو خود خواجہ سراؤں کو بلاتے تھے اور تقریب کا حصہ بناتے تھے۔

اس زمرے میں بھی اختر حسین بلوچ اپنی کتاب "تیسری جنس" میں لکھتے ہیں کہ:

"شہر میں جہاں کہیں بیٹا ہوتا تھا۔ وہاں اس علاقے یعنی برت کے ہیجڑے جا کر ناچتے گاتے اور اپنی بدحالی لاتے ہیں۔ ہولی، دیوالی، دسہرے میں مگر زیادہ تر صرف دیوالی میں یہ لوگ دکان، دکان ڈھولک بجا کر ناچتے، چھلے گاتے اور مانگتے پھرتے ہیں۔ میر بچھڑی کی کرھائی ان کے ہاں ایک مشہور نیاز ہے۔ ہیجڑے کا مردہ کسی نے نہیں دیکھا۔"[3]

یہاں یہ پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ ہیجڑے کا مردہ کسی نے دیکھا ہے کہ نہیں؟ کہا جاتا ہے کہ ہیجڑوں کا مردہ اور بارات کسی نے نہیں دیکھی۔ وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اسلام میں ان کا جنازہ جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مردے کو شہیدوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس طرح ان کا نماز جنازہ پڑھوایا جاتا ہے۔ مردے کو دفنانے یعنی کھسرے کو دفنانے کے حوالے سے مختلف لوگوں کی مختلف سوچ ہے۔ سیف الرحمن رات اپنی کتاب "درمیانے" جو کہ ہیجڑوں کی نجی و معاشرتی زندگی پر ایک مخصوص کتاب ہے میں لکھتے ہیں کہ :

> ''کھسرے کے جنازے اور اسے قبر تک پہنچانے کے مراحل سے متعلق عام لوگوں میں یہ تصور ہے کہ کھسرے کا جنازہ کبھی سامنے سے نہیں نکالا جاتا۔ دیوار پھاڑ کر کھسرے کا جنازہ قبرستان تک لے جایا جاتا ہے۔''[٤]

خواجہ سراؤں کی تہذیب کا آغاز دراصل محمد شاہ رنگیلا کے دور سے ہو جاتا ہے، جب خواجہ سراؤں نے اپنے لیے الگ قبیلے یا علاقے اور قواعد و قوانین مرتب کرنے کا سوچا۔ اس طرح یہ دور ان کی تہذیب، رسم و رواج اور زبان کے اعتبار سے بے حد اہمیت کا باعث بنا۔

وقت کے ساتھ ساتھ خواجہ سراؤں کی تہذیب و تمدن اپنے ارتقائی مراحل طے کرتی گئی۔ ہندوستان پر انگریزوں کی اجارہ داری کے دور کے آغاز کے بعد دیگر طبقوں کے ساتھ ساتھ خواجہ سرا طبقے پر بھی اس کے بے حد اثرات مرتب ہوئے۔ خواجہ سراؤں کو جرائم پیشہ افراد کی فہرست میں شامل کر دیا گیا۔ ان پر ظلم و ستم کا سلسلہ شروع ہوا۔ انہیں طرح طرح کی اذیتوں سے گزرنا پڑا تھا۔ آخر انہوں نے اپنے لیے ایک الگ دنیا بسانے کا ارادہ کیا۔ عام لوگوں سے دور ہو کر اپنی تہذیب و تمدن، روایات اور رہن سہن کے ساتھ ہی اپنے دیگر رواج کو پروان شروع کیا اور ان کے ارتقائی مراحل طے ہوتے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں تیسری دنیا کہہ کر پکارا جاتا ہے یعنی ان کے لیے تیسری دنیا کا لفظ مختص کیا گیا ہے۔

قیام کے بعد جہاں بہت سے خواجہ سرا پاکستان منتقل ہوئے، وہیں ہندوستان کی طرف ہجرت کرنے والے خواجہ سراؤں کا کہیں ذکر موجود نہیں یعنی کوئی خواجہ سرا ایسا نہیں جو پاکستان سے ہندوستان ہجرت کر گیا ہو۔ ہندوستان سے آنے والے خواجہ سراؤں نے ت اکستان میں بھی اپنی ایک الگ دنیا بسائی۔ پہلے سے موجود خواجہ سراؤں نے اس سے متعلق کسی قسم کی کوئی مذمت نہیں کی اس طرح یہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان کے مابین تھوڑی بہت کشیدگی موجود تھی مگر آپس میں اپنائیت بھی تھی۔ ہندوستان سے آئے ہوئے خواجہ سرا اپنے ساتھ جو کاغذات لیے

پھرتے تھے ان کو دیکھنے کی اجازت کسی کو نہ تھی اور یہ اسی صورت ممکن ہوتا تھا۔ جب کوئی گرو وفات پا جاتا تھا۔ ان کاغذات کی خاص حفاظت کی جاتی تھی اور نسل در نسل یوں ہی محفوظ رہتے تھے۔

خواجہ سراؤں کی تاریخ ان کے رواجات و رسومات اور تمدن سے آگاہی کے لیے زبان کا استعمال بھی ضروری ہے۔ اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ ہمیں ان کی زبان سیکھنی ہو گی مگر اس حد تک معلوم ہونی چاہیے جتنی ضرورت ہے۔ زبان ہی کسی علاقے کے رسم و رواج اور تہذیب و ثقافت کی ترجمان ہوتی ہے۔ خواجہ سراؤں نے بھی اپنے لیے ایک مخصوص زبان کا استعمال کیا جو کہ فارسی چانڈ کہلاتی ہے۔ اس زبان سے واقفیت بہت کم لوگوں کو ہے یا یوں کہیں تو بے جا نہ ہو گا کہ یہ زبان صرف خواجہ سرا طبقے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

کھسروں کی زبان سے متعلق سیف الرحمٰن رانا اپنی کتاب "درمیانے: تحقیق و تدوین" میں لکھتے ہیں کہ:

> "کھسرے نجی محفلوں میں مادری زبان میں گفتگو کرتا پسند کرتے ہیں۔ صرف دوسروں کے سامنے اپنی مخصوص وضع کردہ زبان میں ایک دوسرے کو اپنے جذبات اور خیالات سے آگاہ کرتے ہیں۔ کھسروں نے اپنی مخصوص زبان کے حوالے سے جو الفاظ تخلیق کیے ان میں سے اکثر الفاظ آج کل ہماری روزمرہ کی زبان میں مستعمل ہیں۔"[۵]

خواجہ سراؤں کی چار اقسام اب تک منظر عام پر آ چکی ہیں۔ پیدائشی نامرد لڑکا زنخا، پیدائشی نامکمل عورت زنخی، نر زبان زنخا اور شوقیہ زنخا۔ خواجہ سراؤں کی ان تمام اقسام کی مختصر تفصیلات درج ذیل ہیں۔

۱۔ پیدائشی زنخا اور زنخی:

پیدائشی طور پر نامرد فرد کو پیدائشی زنخا کہتے ہیں۔ ان کھسروں کے اعضائے مخصوصہ بے حد کم اور خصیئے نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ انہی کھسروں کو اصل خواجہ سرا کا مقام دیا جاتا ہے۔ یہ کھسرے گزر بسر کے لیے شادی بیاہ میں جا کر اور دیگر تقریبات میں شمولیت اختیار کر کے رقم وصول کرتے ہیں اور اسی پر ان کا گزر بسر ہوتا ہے چونکہ ان کی شادی سے متعلق کوئی معلومات نہیں اس لیے ہم ان کی ازدواجی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ کھسرے صرف اپنے مخصوص علاقوں میں رہنا پسند کرتے ہیں زیادہ باہر کے لوگوں سے تعلقات بنانا انہیں پسند نہیں۔ پیدائشی خواجہ سرا نہیں چاہتے کہ ان کی مخفی زندگی کے بارے میں کوئی گفتگو کرے۔

پیدائشی خواجہ سرا کے آباؤ اجداد بادشاہوں کے حرم کی نگرانی پر مامور تھے اور اس بات پر کھسرے فخر محسوس کرتے ہیں۔ چونکہ کھسروں کو ان کے والدین اور رشتہ دار قبول نہیں کرتے اس لیے وہ اپنے لیے الگ گھر

تشکیل دیتے ہیں۔وہ گھر جس میں ایک ماں اپنی بچیوں کو چھپائے زندگی بسر کرتی ہے جو کہ ان کی گرو کہلاتی ہے۔پیدائشی خواجہ سرا اپنے گھر میں کسی عورت کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے مگر گھر سے باہر اپنے رشتہ داروں، ماں، بہن وغیرہ سے بات چیت کو برا تصور نہیں کرتے۔ماضی میں یہ کھسرے اپنے لیے الگ تھلگ دور کہیں رہنا پسند کرتے تھے مگر اب چونکہ مہنگائی کا دور ہے۔اس لیے یہ خواجہ سرا آبادی سے دور نہیں رہتے۔بعض کھسرے خانساماں کی نوکری پر بھی مامور رہتے ہیں مگر اس میں ان کے گرو کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ان کھسروں کی شادی سے متعلق یہ معلومات سامنے آئی ہیں کہ ماضی میں لوگ مخنث افراد کو رقص کی غرض سے اپنے قریب رکھنا پسند کرتے تھے۔جس کے لیے ان کی تمام تر جائز ضروریات کو پورا کرنا مالک کی ذمہ داری ہوتی تھی۔جس کے بعد کھسرا مالک کے ہر حکم کی اطاعت کرتا تھا۔اس کے لیے مخصوص طریقہ اختیار کیا جاتا تھا جو کہ دستار بندی کا تھا۔اس طرح اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ کون سا خواجہ سرا کس مالک کے ماتحت کام کرے گا۔اس چیز کو آہستہ آہستہ شادی کے رنگ میں ڈھال دیا گیا جبکہ پیدائشی مخنث افراد کے مطابق یہ شادی نہیں بلکہ ایک معاہدہ ہوتا ہے جس میں شہسوار، تیر انداز اور جنگی مہارت رکھنے والے کھسرے اپنی ان اوصاف کا استعمال اپنے مالک کے حکم کے مطابق کرتے ہیں۔اس لیے اس معاہدے کو شادی کا نام دینا مناسب نہیں۔

۲۔پیدائشی نامکمل عورت خواجہ سرا:

اس قسم کے کھسروں کی پیدائشی طور پر مقام مخصوصہ نہ مکمل ہوتی ہے۔نامکمل عورت کی شرمگاہ میں صرف ایک باریک سا سوراخ ہوتا ہے جس سے بچی کا پیدائشی نامکمل عورت کھسری ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ان لوگوں کی زندگیوں میں مختلف زمانے اور مقامات پر مختلف روایات اور مقاصد ہوتے ہیں۔انھیں معاشرے میں ہونے والے بگاڑ ، فرد کو تسلیم نہ کرنا اور جنسی حوالے سے مختلف طرح کے تجربات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اور لوگ جو ہر طرح کی جماعتوں میں متحرک نظر آتے ہیں چاہے وہ مقامی ہوں یا ریاستی۔یہ ایسی زندگی گزارتے ہیں جس میں وہ اپنے حقوق اور معاشرے میں اپنے کردار کی بہتری کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔جہاں انھیں نہ صرف معاشرتی بلکہ جنسی مشکلات کا سامنا کرتا پڑتا ہے۔

۳۔نربان خواجہ سرا:

قربانی دینے والا مرد نربان خواجہ سرا کہلاتا ہے۔نربان، زنخا افراد کی مخصوص زبان "فارسی چانڈ" کا لفظ

ہے۔ایسے مرد اپنے اعضائے مخصوصہ کو کسی بھی وقت کٹوا کر کھسروں کا روپ دھار لیتے ہیں۔اس قسم کے کھسروں کو بے حد معزز گردانا جاتا ہے۔ایسے مرد روزِ اول سے عورت بننے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔انہیں لگتا ہے کہ وہ اپنے اعضائے تناسل کو کٹوا کر عورت کی صفت اپنا سکتے ہیں۔ایسے مردوں کی مزید حوصلہ افزائی گھسرے کرتے ہیں۔وہ اس قسم کے مردوں کی تلاش میں ہوتے ہیں اور پھر ان کا ذہن تشکیل دے کر ان کو نربان بنا کر اپنے گروہ میں شامل کر لیتے ہیں۔ایک مرد کو کھسرے میں تبدیل کرنے کے لیے اس کا آپریشن کیا جاتا ہے جو کہ ایک خطرناک عمل ہے۔

٤۔شوقیہ خواجہ سرا:

وہ مرد جن کے اندر زنانہ پن پایا جائے مگر وہ کھسرے نہ ہوں بلکہ صرف ان کی عادات اپنائے ہوئے ہوں انہیں شوقیہ کھسرے کہا جاتا ہے۔ایسے مردوں میں زنانہ پن کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ان کے ہاں عورتوں کی تعداد زیادہ اور عورتوں کی حاکمیت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ عورتوں کی سی عادات اپنا لیتے ہیں۔ایسے کھسرے اصل کھسروں کی نقل کرتے ہیں۔سیف الرحمن رانا نے اپنی کتاب "درمیانے" میں اس سے متعلق کچھ اس انداز میں تحریر کیا ہے:

> ''کسی گھر میں چھ سات بہنیں ہوں اور بھائی اکیلا ہو تو لڑکا بہنوں کو ہار سنگھار اور میک اپ کرتے دیکھ کر ان جیسی عادات کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ چیزیں ان کی زندگی میں لازمی حیثیت سے شامل ہو جاتی ہیں۔''[٦]

اکیسویں صدی میں خواجہ سراؤں نے تعلیمی سطح پر ترقی کر لی ہے۔بہت سے خواجہ سرا اعلیٰ عہدوں پر فائض ہیں۔خواجہ سرا کمیونٹی اپنے لیے روزگار کے مختلف مواقع تلاش کرتی ہے۔ایسے ہی ایک خواجہ سرا فیض اللہ جو کہ ایک اعلیٰ عہدے پر فائض ہیں، کا ذکر بھی بے حد اہمیت کا حامل ہے۔فیض اللہ نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔جس کے بعد انہوں نے پی پی ایس سس (PPSC) کے امتحان میں اچھی کارکردگی دکھاتے ہوئے اپنے لیے ایک اعلیٰ عہدے کا انتخاب کیا۔اب وہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں زیرِ ملازمت ہیں اور اپنی ایک مطمئن زندگی گزار رہی ہیں۔اسی طرح ۲۰۲۲ء میں ۲۷ سالہ ڈاکٹر سارہ گل کو پاکستان کی پہلی ٹرانس جینڈر ڈاکٹر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔جو کہ کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔پشاور میں خواجہ سراؤں کو جرگہ ممبر کی حیثیت دی گئی۔پہلا جرگہ ممبر ثوبیہ خان بھی ایک خواجہ سرا ہیں۔خواجہ سراؤں نے دینی تعلیم پر بھی خاص توجہ دی ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ خواجہ

سراؤں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ہو گا۔ مگر خواجہ سرا بھی مذہبی معاملات میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے مخصوص علاقوں میں رہتے ہوئے اپنے دینی فرائض کو ادا کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اسلام آباد کے نواحی علاقے کے خواجہ سراؤں نے کیا ہے۔ انہوں نے اپنی مدد آپ کے تحت ایک مدرسہ قائم کیا۔ جس میں صرف خواجہ سراؤں کو دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس مدرسے کو خواجہ سراؤں کا پہلا مدرسہ کہا جاتا ہے۔ جس کی ٤٣ سالہ خواجہ سرا رانی خان سربراہی کرتی ہیں اور تقریباً ٢٥ خواجہ سرا روزیہاں دینی تعلیم یعنی قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

ٹرانس جینڈر افراد کے حقوق کے تحفظ کے لیے ٢٠١٨ء میں ایک قانون (ایکٹ) پاس کیا گیا. اس ایکٹ کو قانونی طور پر خواجہ سراؤں کو تسلیم کرنے کی غرض سے منظور کیا گیا تھا۔ اس قانون کے درج ذیل مقاصد ہیں:

١۔ خواجہ سراؤں کو اس ایکٹ کی بدولت ڈرائیونگ لائسنس اور پاسپورٹ حاصل کرنے کی اجازت دی گئی۔

٢۔ اس قانون کے تحت خواجہ سرا اپنی مرضی سے نادرا کے ریکارڈ میں اپنی جنس تبدیل کروا سکتے ہیں۔

٣۔ خواجہ سراؤں کو کسی بھی مقام پر چاہے وہ گھر ہو یا عوامی جگہ انہیں حراساں کرنے کی ممانعت ہے۔

٤۔ خواجہ سراؤں کے ساتھ تعلیمی یا معاشرتی طور پر امتیازی سلوک رواں رکھنا ممنوع ہے۔

٥۔ اس قانون کے تحت حکومت کو اجازت دی جاتی ہے کہ خواجہ سراؤں کو محفوظ مکانات، طبّی اور تعلیمی سہولیات فراہم کی جائیں۔

٦۔ جیلوں میں خواجہ سراؤں کے لیے علیحدہ انتظامات ہونے چاہیں۔

٧۔ اس قانون کا آخری اور اہم مقصد یہ بھی ہے کہ کوئی بھی شخص زور زبردستی کسی خواجہ سرا کو اپنے ماتحت کام کرنے پر راضی نہیں کر سکتا اور نہ ہی بھیک منگوانے کی اجازت دی جاتی ہے. ایسا کرنے پر اس شخص کو بھاری جرمانہ ادا کرنا پڑ سکتا ہے جو کہ ٥٠ ہزار روپے اور چھ سال جیل کی سزا ہے۔

ڈراموں میں دکھائی گئی خواجہ سراؤں کی زندگی کا جائزہ لینے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ڈراما کیا ہے؟ ڈراما، زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کا موثر ذریعہ ہے۔ زندگی سے ڈرامے کا ایک گہرا تعلق ہے۔ جس طرح ڈرامے میں زندگی کے تمام تر پہلوؤں یعنی معاشرتی تلخ حقائق و شیریں پہلو، سماج کا مکروہ چہرہ غرض ہر قسم کے پہلوؤں کی عکاسی کی جاتی ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اب ڈراموں میں تیسری جنس یعنی خواجہ سراؤں کی زندگی کے تلخ پہلوؤں کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

ڈرامے کی کوئی جامع یا حتمی تعریف اب تک سامنے نہیں آئی۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاسکتی ہے کہ ڈراما اپنے اندر

کشادہ اور ہمہ جہت پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ڈرامے کی تشکیل میں حقیقی واقعات کے ساتھ ساتھ چند غیر متوقع، غیر معمولی اور غیر فطری واقعات یا مناظر کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ مگر یہ کہنا مناسب نہیں کہ ڈراما غیر حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ڈراما دراصل سٹیج پر کر کے دکھانے کی چیز ہے۔

"ڈراما" یونانی زبان کے لفظ "ڈراؤ" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی "کر کے دکھانا" کے ہیں۔عام فہم انداز میں ڈرامے کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ ڈراما ایک ایسی صنف ہے جس میں مختلف کرداروں کے ذریعے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سٹیج پر پیش کیا جاتا ہے۔ڈرامے کے بنیادی عناصر میں کمی بیشی سے ڈرامے کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔اس لیے ڈرامے میں تسلسل ربط اور توازن کا ہونا بے حد ضروری ہے۔اضطراب اور جستجو کا شمار ڈرامے کے اہم بنیادی عناصر میں ہوتا ہے۔ جس سے ڈرامے کی دلچسپی تادیر برقرار رہتی ہے۔

ڈرامے کی مکمل تاریخ اور تمام تر تفصیلات کا مختصر جائزہ پیش کرنے کی وجہ ہمارے مقالے کا موضوع ہے۔چونکہ ہمارے مقالے میں اس امر کی مزید وضاحت درکار نہیں۔اس لیے ہم صرف ڈرامے کی اقسام اور لوازمات وغیرہ کا مختصر جائزہ پیش کریں گے۔

۵۔ڈرامے کی اقسام:

ڈراما ہماری زندگی سے گہری وابستگی رکھنے والی ایسی صنف ادب کا نام ہے، جو مختلف کرداروں کی حرکات و سکنات اور گفتگو کے ذریعے سٹیج پر پیش کیا جاتا ہے۔ڈراما ہر فرد دیکھ اور سمجھ سکتا ہے۔ڈرامے کو سمجھنے کے لیے ضروری نہیں کہ انسان لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔ کیونکہ ڈراما لکھنے پڑھنے کی چیز نہیں بلکہ دیکھنے کی چیز ہے۔

اس حوالے سے ڈاکٹر احمد بختیار اشرف اپنی کتاب "اردو سٹیج ڈراما" میں قلم بند کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''آج تک جتنے بھی ڈرامے معرض وجود میں آئے ہیں۔وہ سٹیج پر پیش کرنے کی غرض سے لکھے گئے ہیں، پڑھنے کے لیے نہیں۔کاغذ کے صفحات پر ان کی قدر و قیمت بے روح اور جامد نقوش کے سوا کچھ نہیں۔یہی وجہ ہے کہ شیکسپیئر اور مولیئر نے کبھی اپنے ڈراموں کی طباعت کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں سمجھا۔''[۷]

ڈرامے کو آغاز میں ادبی حوالے سے اتنی اہمیت نہ دی جانے کی وجہ بھی یہی بتائی جاتی ہے۔ مگر ڈرامے نے ادبی حلقوں میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی ایک خاص جگہ بنالی۔ڈرامے کی اقسام کی بات کی جائے تو ارسطو نے ڈرامے کی دو اہم اقسام پیش کی ہیں۔

۱۔ حزنیہ/المیہ (ٹریجڈی)

۲۔ طربیہ (کامیڈی)

المیہ میں غم انگیز اور المناک واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔ جس میں سنجیدہ اور اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے کرداروں کی زندگی کے تلخ حقائق اور معاشرے کے درد مند پہلوؤں کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے ڈراموں کا اختتام المناک واقعات سے بھرا ہوتا ہے۔ ان ڈراموں کے اختتام پر ان عظیم شخصیات یا اعلیٰ طبقے کی تباہی و بربادی کے مناظر پیش کیے جاتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس طربیہ ڈراموں میں نچلے طبقے کی زندگی کے واقعات کو قلم بند کیا جاتا ہے اور نچلے طبقے کی معاشرتی الجھنوں کو مزاح کے انداز میں کچھ اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ حقائق بھی سامنے آجاتے ہیں اور دلچسپی بھی پیدا ہوتی ہے۔ ارسطو کے اس نظریے سے بعد میں اختلاف بھی کیے گئے۔

اٹھارویں صدی میں اس نظریے کو مسترد کر کے اس بات پر زور دیا گیا کہ المیہ میں اعلیٰ طبقے کے کرداروں کے ہمراہ نچلے طبقے کے کرداروں سے ہمدردی بھی ظاہر کی جائے اور ان میں ترحم آمیز جذبات کو ابھارا جائے۔ مگر المیہ ڈراموں میں الم اور پچھتاوا جیسے عناصر کو مرکزی حیثیت دی جائے۔ تب ہی المیہ ڈرامے کے معیار پر پورا اترا جا سکتا ہے۔

اسی طرح عشرت رحمانی نے بھی اپنی کتاب "اردو ڈراما (تاریخ و تنقید)" میں المیہ کی مزید تین اقسام پیش کی ہیں۔ اسی سلسلے میں وہ کچھ اس انداز سے رقم طراز ہیں:

> ''ایک وہ جس میں حزن و ملال اور غم و الم کے سوا انجام تک طرب و نشاط کا کوئی عنصر شامل نہیں ہوتا۔ دوسری وہ جس میں حزن قصے کا اصل جزو ضرور ہوتا ہے مگر سامعین کی خاطر یا تدبیر گری کے لحاظ سے شادمانی اور طرب کا خفیف شائبہ شریک کر کے رنج و غم کے بار گراں کو کسی حد تک کم کر دیا جاتا ہے۔ مگر انجام غم ناک ہوتا ہے اور حزنیہ کی تیسری قسم طرب انگیز حزنیہ ہے۔ جس میں رنج و الم کے بھرپور پہلو نمایاں ہوتے ہوئے بھی انجام نیک اور طرب انگیز ہوتا ہے۔''[۸]

طربیہ ڈراموں کی بات کی جائے تو یہ ایسے ڈرامے ہیں جن کے آغاز سے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آغاز کسی بھی انداز میں کیا جا سکتا ہے۔ مگر خاص بات یہ ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ مسرت بخش اور آسودگی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس قسم کے ڈراموں میں سنجیدگی کے ساتھ مزاح کا عنصر بھی نمایاں ہوتا ہے مگر یہ طنز و مزاح تحقیر آمیز اور بازاری پن پر

مبنی نہیں بلکہ نفیس انداز لیے ہوتا ہے۔

ڈرامے کی مزید اقسام بھی موجود ہیں مگر مقالے کے موضوع کی مناسبت سے اتنی تفصیلات مناسب ہیں مزید کی گنجائش نہیں۔ڈرامے کے اجزائے ترکیبی ناول کے اجزاء سے کافی حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔پلاٹ، کہانی، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، تصادم یا کشمکش، نقطہ عروج اور انجام یہ تمام ڈرامے کے اجزائے ترکیبی ہیں۔دیگر اصناف کی طرح ڈرامے کا بنیادی عنصر بھی پلاٹ ہے۔چونکہ ہمارا مقالہ ٹی وی ڈراموں پر مبنی ہے۔اس لیے اردو ڈرامے اور ٹی وی کے آپسی تعلق کے بارے میں جاننا بھی اہم ہے۔کہا جاتا ہے کہ دنیا میں ٹی وی کا آغاز دوسری جنگ عظیم سے بھی قبل ہو چکا تھا ٹی وی بنانے کا نظریہ کسی ایک فرد کی ذاتی سوچ نہیں بلکہ یہ ایک اجتماعی جدوجہد کی بنا پر منظر عام پر آیا۔

سکیننگ ڈسک (Scanning Disk) جو کہ ایک جرمن سائنسدان پول نپکو (Paul Nipko) نے بیسویں صدی میں متعارف کرائی۔اسی کی بنیاد پر ٹی وی بنایا گیا۔۱۹۲۸ء میں پہلا ٹی وی سیٹ متعارف کرایا گیا۔ٹی وی کی باقاعدہ طور پر نشریات کا آغاز ۱۹۳۹ء میں ہوا مگر اس سے پہلے ۱۹۳۴ء میں ٹی وی امریکہ میں متعارف کرایا جا چکا تھا۔اسی طرح ۱۹۳۶ء میں برطانیہ میں ٹی وی کا آغاز کیا گیا اور اس کی نشریات عوام کے سامنے ۱۹۴۸ء میں پیش کی گئیں۔۱۹۴۶ء تک ٹی وی کی عدم دستیابی کا باعث دوسری جنگ عظیم تھی۔مگر اس کے باوجود دنیا کے چار بڑے ممالک ۱۹۴۸ء تک ٹی وی کی نشریات کا باقاعدہ آغاز کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔جن میں امریکہ، روس، برطانیہ اور فرانس شامل ہیں۔ریڈیو کی مقبولیت سے زیادہ ٹی وی کو پذیرائی حاصل ہوئی۔اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ٹی وی میں بولنے اور حرکات و سکنات کرنے والی شخصیات کو سکرین پر دیکھا بھی جا سکتا ہے۔آغا ناصر پی ٹی وی کے لیے ایک بہترین سرمایہ ہیں۔ان کی باوقار شخصیت کسی تعارف کے متقاضی نہیں۔وہ اپنی کتاب "This is PTV" میں پی ٹی وی سے متعلق رقم طراز ہیں۔

> "The first television set was built in ۱۹۲۸. It consisted of a disk and a light bulb with a moderate need for electricity.Television was introduced in the US in ۱۹۳٤. However systematic TV Breadcasting begin in ۱۹۳۹ ..... by ۱۹٤۸ four countries theUS , USSR, British and France had television transmission.During ۱۹۵۰s it had become the fastest growing medium in theworld. Television was a natural and logical extension of sound broadcasting. It emerged within ۱۵ years after the birth of Radio."[۹]

ایک ڈسک اور لائٹ بلب پر مبنی، کم بجلی استعمال کرنے والا پہلا ٹیلی ویژن سیٹ ۱۹۲۸ء میں تشکیل دیا

گیا۔ ۱۹۳۴ء میں متعارف اور ۱۹۳۹ء میں باقاعدہ نشریات کا آغاز کیا گیا۔ ۱۹۴۸ء تک اس کا استعمال دنیا کے چار ممالک نے کر چکے تھے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی کے دوران تیزی سے چلنے والا یہ نیٹ ورک ریڈیو کے آغاز کے پندرہ سال کے اندر اندر منظرِ عام پر آیا۔ جنرل کمپنی نے پہلے گھریلو ٹی وی کا آغاز کیا۔ برطانیہ کے BBC چینل نے ۱۹۲۹ء میں اپنے تجرباتی ٹیلی ویژن کی شروعات کی۔ ٹی وی کے آغاز میں اس پر نشر ہونے والے پروگرام رنگین نہیں ہوا کرتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف ممالک نے رنگین نشریات کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے ۱۹۴۰ء میں ٹی وی کی رنگین نشریات کی ابتدا کی گئی۔ اسی کی دیکھا دیکھی کولمبیا براڈکاسٹنگ نے بھی ۱۹۴۸ء میں اپنے پروگرام کی جان بڑھانے کے لیے رنگین نشریات کا آغاز کیا۔

دیگر ممالک میں ٹی وی کے آغاز اور مقبولیت کے بعد پاکستان میں ٹی وی کی ابتدا اور فروغ سے متعلق معلومات پیش کرنا بھی ضروری ہیں۔ ایوب خان کے مارشل لا کے دور میں پاکستان میں بھی ٹی وی کی شہرت پھیل چکی تھی۔ دیگر ممالک کی طرح پاکستان نے بھی ٹی وی کی مقبولیت کا اثر قبول کیا۔ تعلیمی اور اصلاحی مقاصد کے لیے ٹی وی کا استعمال عام کرنے کا ارادہ حکومت پاکستان کی جانب سے کیا گیا۔ ٹیلی ویژن کے لوگوں کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اس لیے ایوب خان نے اس تجویز کو بنیاد بنا کر ایک تعلیمی کمیشن ۱۹۵۸ء میں ترتیب دیا۔ جس کا کہنا تھا کہ ٹی وی کا آغاز ملکی ترقی کے لیے بے حد ضروری ہے۔ ٹی وی کا استعمال ہماری معیشت اور معاشرے کے استحکام کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یونیسکو سے حکومت پاکستان نے مطالبہ کیا کہ وہ منسٹری آف ایجوکیشن اور منسٹری آف انفارمیشن کی مدد سے ایک رپورٹ تیار کریں۔ بالآخر حکومت پاکستان کی رضامندی سے تین ماہرین پر مشتمل ایک ٹیم تشکیل دی گئی جن میں ایک جاپانی انجنیئر کو بھی شامل کیا گیا۔ حکومت پاکستان کو ٹی وی کے حوالے سے تجاویز اور بنیادی معلومات فراہم کرنے کے لیے ۱۹۶۱ء کو یہ ٹیم پاکستان کے دورے پر آئی۔ تاکہ حکومت پاکستان کو ٹی وی سے متعلق تمام معلومات سے آگاہ کیا جا سکے۔ آغا ناصر کا کہنا ہے کہ ٹی وی کے آغاز کے دنوں کی نشریات کا دورانیہ ۳ گھنٹے تک محدود تھا اور یہ نشریات ہفتے میں چھے (۶) دن کے لیے ہوا کرتی تھیں۔ سوموار کے روز دیگر اگلے پروگراموں کی تیاری شروع ہو جاتی تھی۔ پی ٹی وی کو اپنا پہلا کمرشل جاپانی کمپنی نے ہی دے دیا تھا آغاز میں ہی NEC نے لاہور میں ایک ہزار روپے دے کر آرٹس کونسل میں جگہ کرائے پر حاصل کر لی اور وہیں پر کمپنی کا دفتر بھی بنایا گیا۔ ابتدائی نشریات میں پچاس فیصد انگریزی پروگرام جوں کے توں ہی پیش کیے جاتے رہے۔ انور سجاد، اصغر بٹ، کمال احمد رضوی، رفیع پیر اور اشفاق احمد جیسی قابل شخصیات نے ۵۰ فیصد ڈرامے ریڈیو اور تھیٹر سے لے کر احاطہ تحریر میں لائے۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۵ میں ڈھاکہ سے بھی پی ٹی وی کی نشریات کی شروعات ہو گئی۔ پائلٹ پروجیکٹ کی کامیابی کے ساتھ ہی ٹی پی سی

(TPC) کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۰ فروری ۱۹۶۶ میں (PTC) وجود میں آئی جسے ۲۷ جون ۱۹۶۷ کو (PTV) میں تبدیل کر دیا گیا۔

پی ٹی وی کی بنیاد چونکہ سیاسی بنیادوں پر اور سیاسی فائدوں اور اغراض کے حصول کے تحت کی گئی تھی چنانچہ یہ ادارہ اپنے افتتاح کے ساتھ ہی حکومتی پالیسیوں کے ماتحت تھا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ شروع سے لے کر موجودہ دور تک پی ٹی وی نے تمام تر سیاسی ادوار کو دیکھا خواہ وہ مارشل لاء کی سختیاں ہوں یا جمہوریت کا دور۔ جیسے اردو ادب کی تمام تر اصناف اپنے دور کی عکاس ہوتی ہیں اسی طرح پی ٹی وی پر نشر کیے جانے والے پروگرام بھی اپنے زمانے کی عمدہ تصویر کشی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ پی ٹی وی کے ڈرامے سامعین تک اپنا پیغام پہنچانے میں پیش پیش رہے ہیں۔ موجودہ دور کی بات کی جائے تو اب پی ٹی وی کے علاوہ بہت سے نجی چینل بھی کام کر رہے ہیں جو میڈیا کی پابندیوں سے آزاد ہیں آج کل کے اس جدید اور جمہوری دور میں پی ٹی وی سرکاری گرفت میں ہے اور حکومت کی نت نئی پالیسیوں کا عکاس ہے۔ مگر اس حقیقت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ اردو ڈرامے کو جو معیاری شکل پی ٹی وی نے مہیا کی اور اسے ترقی، پزیرائی اور بامِ عروج تک پہنچانے میں جتنا ہاتھ پی ٹی وی کا ہے اور کسی چینل کا نہیں ہے حتیٰ کہ پڑوسی ممالک بھی اس سلسلے میں پی ٹی وی کا مقابلہ نہیں کر پائے۔ پی ٹی وی کی شہرت کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جس زمانے میں پی ٹی وی نشریات کی شروعات ہوئی تو پاکستان میں آٹھ ہزار ٹی وی سیٹ منگوائے گئے جن کی حکومتِ پاکستان کو باضابطہ لائسنس فیس بھی چکائی گئی۔ اس زمانے میں اس کی قیمت ۸۰۰ سے ایک ہزار تک کے درمیان تھی مگر اس کے باوجود طلب میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے نہایت ہی کم مدت میں ۲۵۰۰۰ ٹی وی سیٹ فروخت ہو گئے۔

شروعات میں پی ٹی وی کی نشریات کا دورانیہ چار گھنٹے تھا پھر اسے آٹھ گھنٹے تک بڑھا دیا گیا۔ موجودہ دور میں یہ دورانیہ ۲۴ گھنٹے کا ہے۔ ابتدا میں پی ٹی وی کے پروگراموں میں اس دور کے حالات و واقعات، مختلف قسم کے تعلیمی نوعیت کے پروگرام اور دستاویزی فلموں کو بنیادی اہمیت دی جاتی رہی پھر بعد میں ان پروگراموں میں عوام کی دلچسپی اور پسندیدگی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تفریحی پروگرام بھی شامل کر دیے گئے جن میں سے ایک اردو ڈراما بھی تھا۔ عمدہ اور معیاری کتابوں میں پیش کیے جانے والے ادب کو بھی ڈراموں کا حصہ بنایا گیا۔ پی ٹی وی کی عمدہ کارکردگی کی بدولت تھیٹر اور ریڈیو کی مقبولیت میں کمی آتی گئی۔ پی ٹی وی پر کام کرنے والے ملازمین کو اچھا خاصا معاوضہ دیا جاتا جس کے سبب بہت سے لوگوں نے ریڈیو کو خیر آباد کہا اور پی ٹی وی کی جانب اپنے قدم بڑھا دیے۔

اس بات سے تو ہر شخص واقف ہے کہ ریڈیو کا آغاز پاکستان بننے سے قبل ہی ہو گیا تھا۔ فلم اور تھیٹر کی ابتدا بھی قیامِ پاکستان سے پہلے ہی رکھ دی گئی تھی چنانچہ اردو ڈراما قیامِ پاکستان سے قبل ہی موجود تھا۔ ٹی وی، ریڈیو اور تھیٹر پر پیش کیے جانے والے ڈراموں کے انداز میں خاصہ فرق ہے اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ٹی وی ڈراما کو پیش کرتے وقت کن عناصر کی ضرورت ہوتی ہے اور ٹی وی سکرپٹ کے آغاز سے ڈراما نشر ہونے تک کون کون سے مراحل کو طے کرتا ہے بنیادی طور پر تو ٹی وی ڈراما کو دو حصوں میں بانٹا گیا ہے، پروڈکشن اور موضوع۔

مختلف کتب میں ڈرامے کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں۔ پروڈکشن کے اعتبار سے انفرادی ڈراما، طویل ڈراما، ڈراما سیریز اور ڈراما سیریل جیسی اقسام سامنے آتی ہیں۔ جبکہ موضوع کے اعتبار سے ڈرامے کی الگ تین اقسام پیش کی گئی ہیں۔

۱۔ مزاحیہ ڈراما: یہ ڈرامے کی وہ قسم ہے جس میں ڈرامے کی کہانی مزاحیہ انداز اختیار کیے ہوتی ہے۔ اسے طربیہ ڈراما بھی کہا جاتا ہے۔ عام طور پر ان ڈراموں میں معاشرے کی ناہمواریاں کو مزاحیہ طرز میں بیان کیا جاتا ہے۔

۲۔ سنجیدہ ڈراما: یہ ڈرامے کی وہ قسم ہے جس میں کسی خاص اور سنجیدہ موضوع کو مختلف کرداروں کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے اور قاری کو اس موضوع سے واقفیت کروائی جاتی ہے۔

۳۔ تاریخی ڈراما: یہ ڈرامے کی وہ قسم ہے جس میں ماضی کے دور کے پسِ منظر اور اس وقت کے تاریخی حالات و واقعات سے قاری کو روشناس کروایا جاتا ہے۔

سکرپٹ سے ڈرامے کی تشکیل کے بعد ڈراما مختلف مراحل کو پار کر کے عوام تک پہنچتا ہے۔ سب سے قبل کسی خاص موضوع یا پھر مرکزی خیال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہانی تحریر کی جاتی ہے۔ جس کے مرکزی خیال کو تکنیکی لحاظ سے One Line کہا جاتا ہے۔ یہ جب ڈائریکٹر کو ملتا ہے تو ڈرامے کو لکھنے والا اور اس کا ڈائریکٹر کہانی کے بالکل عین مطابق کرداروں کا چناؤ کرتے ہیں۔ ہر کردار کا مکالمہ اس کی اپنی شخصیت کے لحاظ سے ہی لکھا جاتا ہے۔ جس میں رد و بدل کر کے اسے حتمی شکل و صورت عطا کی جاتی ہے۔ ڈرامے میں موسیقی بھی اپنا اہم کردار ادا کرتی ہے لہٰذا ڈرامے کے ہر سین کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے پس پردہ موسیقی کا انتظام بھی کیا جاتا ہے پھر اسے سینسر کمیٹی کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے اسی کمیٹی کی اجازت دینے کے بعد ہی اس ڈرامے کو باقاعدہ طور پر نشر کیا جا سکتا ہے۔

اس جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ڈرامے کی کامیابی کا انحصار فقط مصنف کے اچھے خیالات پر منحصر

نہیں بلکہ اس میں مختلف تکنیکی مہارتوں جیسے کہ اداکاروں کا انتخاب، ان کے مکالموں کی ادائیگی، میک اپ آرٹسٹ کا کمال، پس منظر کی موسیقی، بے ساختہ پن، سیٹ کی ڈیزائننگ وغیرہ۔ان تمام کی بدولت ایک معیاری اور اچھے ڈرامے کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔آغاز میں جب ڈرامے براہِ راست دکھائے جاتے تھے تو ان میں کسی نہ کسی قسم کی کمی ضرور رہ جاتی تھی جس کا بنیادی سبب پی ٹی وی کے پاس محدود وسائل کا ہونا تھا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پی ٹی وی نے اپنا معیار بہتر سے بہتر کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اسی اور نوے کی دہائی میں جو پی ٹی وی پر ڈرامے نشر کیے جاتے تھے اس میں موضوعات کا تنوع دیکھا جانے لگا جنہیں پڑوسی ملک بھارت میں بھی دلچسپی اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا اور یہ سلسلہ اکیسویں صدی کی ابتدا تک جاری وساری رہا۔پی ٹی وی ایک ایسا چینل ہے جس نے اپنا معیار ہمیشہ بلند رکھا ہے۔

اکیسویں صدی کی ابتدا سے ہی پاکستان میں بے شمار مختلف چینلز کا آغاز ہوا اور پاکستانی، انڈین، انگریزی یہاں تک کہ ترکی کے ڈراموں کا بھی اردو ترجمہ کر کے دکھایا جانے لگا۔جس سے ٹی وی چینلز کے درمیان مقابلے کی فضا پیدا ہو گئی مگر اتنے سخت مقابلوں کے باوجود بھی پی ٹی وی کا معیار بدستور قائم رہا۔اگرچہ موجودہ دور میں پی ٹی وی کے مایاناز ڈائریکٹرز، پروڈیوسرز اور اداکار زیادہ معاوضے کہ حصول کے تحت نجی چینلز کی طرف گامزن ہو گئے ہیں تاہم موجودہ صدی میں بھی پی ٹی وی معیاری کام سرانجام دے رہا ہے۔احمد سہیل PTV ڈراما کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> ''ٹیلی وژن کو پاکستان میں اب اچھا خاصا بڑا تجربہ حاصل ہے۔لہٰذا یہاں بڑے خوبصورت ڈرامے پیش ہوتے ہیں پاکستان ٹیلی وژن (PTV) بہت ترقی یافتہ ہے اور یہ پاکستان میں ہی نہیں ملک سے باہر بھی مقبول ہے۔ملک سے باہر پاکستان ٹیلی وژن (PTV) کہ ڈرامے بڑے ذوق و شوق سے دیکھے جاتے ہیں۔وہ لوگ جو قلم سے بد دل تھے وہ آج ٹیلی وژن کے ڈراموں سے مطمئن ہیں۔ایک تحقیق ہے کہ ٹیلی وژن کے پروگراموں میں سب سے زیادہ ناظرین ڈراما دیکھتے ہیں۔ہمارے ملک میں فلم کے انحطاط کی وجہ ٹیلی وژن کے اعلی ڈرامے بھی ہیں۔ٹیلی پلے، فلم اور ریڈیو ڈرامے کے مقابلے میں زیادہ مقبول ہوتے ہیں۔کل تک دنیا کے عظیم ادب پاروں کو ہم بڑے بڑے دانشوروں اور ادیبوں میں بحث ہوتا دیکھتے تھے۔اب ٹیلی

وژن کے ڈراموں نے عوام کی ایک بڑی تعداد کو ان ادب پاروں سے روشناس کروایا کل تک
اردو ادب کے بڑے بڑے شاہکاروں کو ادب سے دلچسپی رکھنے والا قاری ہی پڑھاتا تھا مگر ٹیلی
پلے نے ان تخلیقات کو گھر گھر عام کیا۔''[۱۰]

ب۔ڈرخائم کے نظریے "معاشرتی حقائق" کے تناظر میں منتخب ٹی وی ڈراموں کا مطالعہ:

۲۵ اپریل ۱۸۵۸ء میں پیدا ہونے والے ایمائل ڈرخائم عظیم فرانسیسی ماہر سماجیات یا عمرانیت شمار کیے جاتے ہیں۔ڈرخائم آگسٹ گومٹے سے نہ صرف متاثر تھے بلکہ ان کی زبردست تقلید بھی کرتے تھے۔انہوں نے زیادہ اہمیت انفرادیت کے بجائے اجتماعیت پر مبنی استحکام کو دی۔ڈرخائم فعلی مکتبہ فکر (یکساں نقطہ نظر) سے تعلق رکھتا تھا۔جس سے متعلق انہوں نے مختلف نظریات پیش کیے، جن کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ معاشرتی حقائق کا نظریہ:(Theory of social facts)

۲۔ سماجی استحکام کا نظریہ:(Theory of social solidarity)

۳۔ اجتماعی ضمیر کا نظریہ:(Theory of collective conscience)

۴۔ خودکشی کا نظریہ:(Theory of suicide)

۵۔ مذہب کی معاشرتی وضاحت/مذہب کا نظریہ:(Social explanation or Theory of Religion)

چونکہ ہم نے ڈرخائم کے معاشرتی حقائق کے نظریے کو مدنظر رکھ کر اپنا مقالہ تحریر کیا ہے۔اس لیے ڈرخائم کے صرف اسی نظریے کی وضاحت کی گئی ہے۔

۱۔معاشرتی حقائق کا نظریہ:

ڈرخائم معاشرے میں رہنے والے افراد کو اجتماعیت کا درس دیتا ہے۔وہ گروہ کو سماجی حقیقت قرار دیتے ہیں۔ڈرخائم سب سے زیادہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کسی معاشرے کی تشکیل میں گروہ کا عمل دخل ضروری ہے۔ایک انسانی معاشرے کا وجود حتمی ہے۔ڈرخائم گروہ/اجتماعیت کے تاثر کو ایک تسلیم شدہ حقیقت گردانتے ہیں یعنی انسانی معاشرے میں فرد کے بجائے گروہ کو سماجی حیثیت حاصل ہے۔

ڈرخائم کہتا ہے سماجی حقیقت سے متعلق سوال کا جواب ہمارے معاشرے میں ہی موجود ہے۔ہمارے

معاشرے میں کچھ حقائق ایسے ہوتے ہیں۔ جنہیں ہم نہ بیان کر سکتے ہیں اور نہ ان کا تجزیہ کرنا ممکن ہے۔ان کا ہم پر اثر تو مرتب ہوتا ہے مگر ہم ان کا تجزیہ نہیں کر پاتے۔ ہماری سوچ، کام کرنا اور محسوس کرنے کے جو طور طریقے ہیں وہ ہماری پہنچ سے دور ہیں یعنی یہ ہم پر قابو پا سکتے ہیں مگر ہم ان پر قابو پانے سے قاصر ہیں اور یہ انسانی ذہن پر پورا دباؤ ڈالتے ہیں۔ یہ حقائق عوامی اخلاقی اصول مذہبی و خاندانی رسم و رواج اور پیشہ ورانہ اصول و ضوابط پر مبنی ہیں۔ڈرخائم ان کو معاشرتی حقائق کا نام دیتے ہیں۔یعنی معاشرے میں رہنے کے لیے ان کا عمل دخل بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ان معاشرتی حقائق کے مطالعے کو ڈرخائم عمرانیات کا اہم حصہ شمار کرتے ہیں۔

آسان فہم انداز میں معاشرتی حقیقت کو جاننے کی کوشش کی جائے تو ہمیں معلوم پڑتا ہے کہ جب تک ایک انسان معاشرے کا فرد ہے تب تک اس پر ان معاشرتی حقائق کا دباؤ برقرار رہے گا۔ فرد کے اندر یہ بیرونی دباؤ پہلے سے موجود نہیں ہوتا بلکہ مختلف اداروں کی جانب سے فرد پر یہ دباؤ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ڈرخائم نے جن حقائق کو پیش کیا ہے ان میں اخلاقی اصول کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔ فرد اپنی زندگی کو ان اصولوں کے دباؤ کے تحت گزارتا ہے۔

معاشرے کا استحکام گروہی عقائد پر مبنی ہے۔ معاشرے کو مضبوط بنانے میں اجتماعی سوچ اور معاشرے کے افراد کو مل کر کام کرنا جو بار بار دہرانے سے ہمیشہ کے لیے نمونے کے طور پر قائم ہو جائیں یہ تمام عناصر معاشرے کو مضبوط بناتے ہیں اور معاشرتی حقائق کہلاتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں موجود وہ تمام کام عقائد وغیرہ جن کو اہم جانا جاتا ہے وہ تمام معاشرتی حقائق شمار کیے جاتے ہیں جو کہ ایک جسم کی صورت میں ٹھوس سماجی حقیقت بن جاتے ہیں۔

ڈرخائم نے معاشرتی حقائق کی دو اقسام مادی (Material social facts) اور غیر مادی حقائق (Non Material facts) پیش کی ہیں۔ مادی حقائق میں فرد کے کردار کو متاثر کرنے والی اشیاء عمارتیں اور گھر وغیرہ شامل ہیں جبکہ غیر مادی اشیاء میں مذہب، ثقافت، روزمرہ زندگی کے معاملات وغیرہ شامل ہیں۔

ڈرخائم عمرانیات کے لیے غیر مادی حقائق کو زیادہ اہم قرار دیتا ہے۔ڈرخائم کے نزدیک فرد کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ اس نے اداروں کی بات کی ہے۔ کیونکہ ادارے ایک گروہ کو اکٹھا کرتے ہیں۔ گروہ فرد سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ معاشرتی حقائق انفرادیت پر مبنی نہیں ہوتے ان کے اثرات سے فرد کی زندگی بدل جاتی ہے۔اس کے کردار میں تبدیلی آسکتی ہے اور اس کی رہنمائی بھی ہو سکتی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی حقائق کا آپس میں ایک تعلق ضرور ہے مگر ان میں مخصوص فرق پایا جاتا ہے۔

ڈرخائم کا کہنا ہے کہ ایک سماج کے عقائد، رسم ورواج اور نظریات دوسرے سماج سے مختلف ہوتے ہیں اور

وہ لوگوں پر بے حد اثر انداز ہوتے ہیں۔ہر قسم کے گروہ، محلے، درجے اور فرقے کے لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ڈر خائم اپنے نظریے سے یہ ثابت کرتا ہے کہ چونکہ ہر طبقے، ہر فرقے غرض سماج کے عقائد، رسوم و رواج معاشرے میں رہنے والے افراد پر بے حد اثر انداز ہوتے ہیں۔اس لیے معاشرے کے لیے چند معیار مقرر کرنا لازمی ہے۔جس سے سماجی دباؤ کو قابو کیا جا سکتا ہے۔یہ لازم نہیں کہ ہر کوئی ان معیارات کو قبول کرے بلکہ ان کی خلاف ورزی بھی کی جا سکتی ہے۔مگر اس سے ان کی نظر میں معاشرتی حقائق کی اہمیت کم ہو سکتی ہے۔

معاشرتی حقائق وہ واقعات اور معلومات ہیں جو سماجی، فرہنگی، معاشی، سیاسی اور دیگر شعبوں میں واقع ہوتے ہیں۔اور افراد اور معاشرے پر ان کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ان مسائل میں بے روزگاری کی شرح، طبقاتی فرق، بین الاقوامی تعلقات، آبادی کی تبدیلیاں، فرہنگی مسائل، سیاستی اصلاحات، انسانی حقوق، ماحولیاتی تبدیلیاں، ٹیکنالوجی کا انقلاب، خواتین کے حقوق کی خلاف ورزی اور دیگر موضوعات شامل ہوتے ہیں۔یہ حقائق معاشرتی حالات کے تجزیے اور تحلیل میں مدد فراہم کرتے ہیں۔معاشی حقائق کے بارے میں مختلف موضوعات پر عموماً معلومات موجود ہیں۔ان میں معاشی نظام، مالیات، بین الاقوامی تجارت، معیار زندگی، روزگار، معاشی رہنمائی، اقتصادی توسیع، معاشی سیاست، مالی ترکیب، معاشی ریاستیں، معیشتی سیاستیں، انفاق، مالی بنیادیں، مالیاتی نظام اور مالی بنیادیات شامل ہیں۔ان موضوعات پر معلومات بڑھانے کے لیے مختلف شعبہ جات کی مدد سے تحقیقات اور مواد حاصل کیا جاتا ہے۔

ڈر خائم اپنے نظریے میں اس بات پر زور دیتا ہے کہ معاشی استحکام کے لیے تمام افراد کا اجتماعی طور پر کام کرنا بے حد ضروری ہے۔اسی لیے ہمیں خواجہ سراؤں کو بھی معاشی طور پر اپنا کردار ادا کرنے کے مواقع فراہم کرنے چاہیے۔دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں ان کو صرف بھیک مانگنے اور ناچ گانا کرنے کی اجازت ہے۔اس زمرے میں ان سے ناروا سلوک رواں رکھا جاتا ہے۔

اس حوالے سے ڈراما سیریل "الف اللہ اور انسان" سے لیا گیا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"نرگس (خواجہ سرا): ہائے شامو! میرے شہزادی گل سنڈ کل ملک صاحب کے گھر شادی ہے۔تو بھی ساتھ چلے گی۔۔۔۔۔۔

شامو: نہیں نرگس باجی! میں نے فیصلہ کر لیا ہے آج کے بعد ناچ گانا بالکل بند۔کوئی اور کام کروں گا۔

نرگس (خواجہ سرا): شامو! گل سنڈ محنت مزدوری کرے گی؟

شامو: ہاں۔

نرگس (خواجہ سرا): ہم جیسے لوگوں کو کام کون دیتا ہے۔ ہمیں تو کوئی بھیک بھی نہیں دیتا۔"[۱۱]

زیر نظر اقتباس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں خواجہ سرا طبقے کو بھی معاشی طور پر مضبوط و مستحکم کردار ادا کرنے کے مواقع فراہم کرنے چاہیے۔ تاکہ وہ بھی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کر سکیں اور ایک کامیاب انسان بن سکیں۔ ڈراما "الف اللہ اور انسان" میں ایک اور موقع پر روزگار کے سلسلے میں ہونے والی گفتگو اس انداز میں پیش کی گئی ہے کہ ہم بخوبی جان سکتے ہیں کہ خواجہ سرا جب کوئی مناسب ملازمت اختیار کرنا چاہتے ہیں تو انہیں بہت سی باتیں سننا پڑتی ہیں مگر جب انہیں یہ حق دے دیا جائے تو وہ سماج میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو جاتے ہیں۔

معاشی استحکام کے بعد ملکی معیشت میں بھی خواجہ سرا طبقے کو حصہ دار بنانا چاہیے۔ انہیں بین الاقوامی تجارت کے مواقع فراہم کرنے چاہیے۔ ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں بھی کچھ اسی قسم کے حالات دکھائے گئے ہیں کہ نور نامی خواجہ سرا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک کامیاب بزنس مین بن جاتا ہے۔ استاد اور شاگرد کے درمیان ہونے والی گفتگو غور طلب ہے:

"استاد: اچھا جی! تو اب اتنی مصروفیت کہ ہمارے لیے تو وقت ہی نہیں ہے۔

نور (خواجہ سرا): نہیں! وہ باہر کی کچھ فرینچائز دیکھ رہا تھا۔

استاد: باہر کے فرینچائزز؟ کیوں کچھ یہاں کھولنا چاہتے ہو؟

نور (خواجہ سرا): نہیں، نور کے ڈھابے کی فرینچائز کو باہر دینا چاہ رہا ہوں۔ ہماری فوڈ چین (Food Chain) بھی تو باہر جا سکتی ہے اور کچھ پارٹیز Parties تو انٹرسٹڈ Interested بھی ہیں.

استاد: ہاں! جا تو سکتی ہیں۔ کیوں نہیں جا سکتی۔ اٹس آ گریٹ تھاٹس It's a great thoughts آئی ایم امپریس باس I'm impress boss مطلب اب میرا لڑکا مجھ سے ہی آگے نکل گیا۔"[۱۲]

اس اقتباس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خواجہ سرا طبقے کو مواقع فراہم کیے جائیں تو وہ بھی ایک کامیاب تاجر بن کر معیشت کے استحکام کے لیے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ مگر ہمارے معاشرے میں انہیں اس حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ بہت سی مشکلات کے بعد وہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔ اس حوالے سے

"خدا میرا بھی ہے" کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

"نور میکائیل (خواجہ سرا): The youngest achieving business man of the year Award کا لینے والا لڑکا نا تو مرد ہے نا عورت۔ لیکن ایک بار بھی آپ کے ذہن میں یہ سوچ نہیں آئی کہ جب نور (خواجہ سرا) یہاں تک پہنچ سکتا ہے، تو پھر میرے جیسے باقی لوگ کیوں نہیں۔"[۱۳]

حق زندگی، حق عزت واحترام، حق برابری، حق آزادی، حق عدالت، حق حریت واظہار اور حق تعلیم یہ تمام حقوق انسانی حقوق کی بنیادی مقاصد میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انسانی حقوق کا مقصد انسان کو بغیر کسی امتیاز و تفریق کے احترام دینا اور ان کی بنیادی ضروریات اور اہمیتوں کو تسلیم کرنا ہے۔ حکومتی اور غیر حکومتی سطح پر انسانی حقوق کی نگہبانی کے لیے مختلف ادارے اور قوانین بنائے گئے ہیں۔ جن کا کام انسانیت کا تحفظ ہے۔ اسی طرح خواجہ سراؤں کے حقوق سے متعلق بھی پاکستان میں ایک قانون پاس کیا گیا۔ جس میں چند مخصوص نکات پیش کیے گئے۔ جن پر عمل درآمد ضروری قرار دیا گیا۔ انسانیت کے اعتبار سے بغیر کسی دھرم، جنس۔ رنگ، قومیت، مذہب یا دیگر کسی بنیاد پر انسانی حقوق کی ضمانت دینا انسانی حقوق کا اہم اصول ہے۔

خواجہ سراؤں کو بھی حق ہے کہ انہیں برابر کے حقوق دیے جائیں۔ ان کی عزت کی جائے اور ہر معاملے میں ان کی معاونت کی جائے۔ ڈراما سیریل "سر راہ" سے لیا گیا اقتباس پیش خدمت ہے:

"ٹیکسی ڈرائیور: آپ شبیر احمد کے ساتھ ہیں؟

ندرت (سارنگ کی سوتیلی والدہ): جی! تم کون؟

ٹیکسی ڈرائیور: ان کا بیٹا سارنگ ہے نا مجھے اس سے ملنا ہے۔

سارنگ کا چھوٹا بھائی: تم سارنگ کو ڈھونڈ رہی ہو؟

ندرت (سوتیلی ماں): کون ہو تم؟ سارنگ سے کیا کام ہے؟

ٹیکسی ڈرائیور: میں ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔ وہ میری ٹیکسی میں آئے ہیں۔ یہ ان کا چینج Change تھا مجھے واپس کرنا تھا۔

سوتیلا بھائی: ان! انہیں، اتنی عزت دینے کی ضرورت نہیں ہے اسے۔ وہ بالکل بھی رسپیکٹیبل Respectable چیز نہیں ہے۔"[۱۴]

اس اقتباس میں خواجہ سراؤں کے حقوق کی پامالی دیکھنے کو ملتی ہے۔ سارنگ جو کہ ایک خواجہ سرا ہے کے

بھائی کا رویہ اور اس کی گفتگو سے صاف واضح ہے کہ اس طبقے کو انسان سمجھنا معاشرے کے دیگر افراد گوارا نہیں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے عزیز و اقارب بھی انہیں حقیر قرار دیتے ہیں۔ تعلیمی سطح پر خواجہ سراؤں کو درپیش مسائل سے متعلق ڈراما سیریل "خدا میرا بھی ہے" کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''پرنسپل: ماہ گل یہ ہاسپٹل کا سرٹیفکیٹ تو کچھ اور ہی بتا رہا ہے۔ نور کا جینڈر کلیئر نہیں ہے I .....meann

ماہ گل: آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ نور کا جینڈر Specific نہیں ہے.

پرنسپل: آئی ایم سوری آپ بہت بہادر ماں ہیں۔ لیکن میں نور کو یہاں ایڈمیشن نہیں دے سکتی۔

ماہ گل: Excuse me نور Intellegent ہے. Mentally Normal ہے۔ اس کی Physical disability سے کسی کا کیا لینا دینا.

پرنسپل: یہ نور کے لیے بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ آپ خود سوچیے یہ فارم تو کیا دنیا کا کوئی بھی فارم آپ فل کرنے بیٹھیں گی تو وہاں دو ہی آپشن ہوتے ہیں۔ Male یا Female تیسرا آپشن کوئی نہیں ہے۔

ماہ گل: تو آپ کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ نور سکول میں پڑھ نہیں سکتا۔

پرنسپل: Infact ایسا کوئی کیس کبھی سکول نہیں آیا۔ ایسے بچوں کو کوئی سکول لاتا ہی نہیں۔ آئی ایم سوری میں اسے ابھی یہاں Admit نہیں کر سکتی. مجھے بورڈ سے بات کرنی ہوگی۔'' [۱۵]

تعلیم ہر طبقے کی ضرورت ہے۔ جس سے محرومی انسان کے لیے بے شمار مسائل کا سبب بنتی ہے۔ یہاں اسی سلسلے میں چند حقائق پیش کیے گئے ہیں کہ مخنث افراد تعلیم سے محروم اس لیے رہتے ہیں کہ انہیں مناسب مواقع دستیاب نہیں ہوتے۔ ان کو معاشرے کا حصہ تصور ہی نہیں کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کے لیے باقاعدہ ایک الگ ادارے کے قیام کی ضرورت ہے تاکہ اس طبقے کو تعلیم کے حصول میں کوئی دشواری نا ہو۔

ہمارے معاشرے کے افراد خواجہ سراؤں کی تذلیل کا موقع ہاتھ سے ہر گز جانے نہیں دیتے ہیں۔ انہیں ہر موقع پر بے عزت کیا جاتا ہے۔ انہیں حقیر سمجھا جاتا ہے۔ جب بھی یہ کسی تقریب میں شرکت کرتے ہیں تو انہیں

طرح طرح کی باتیں سننے کو ملتی ہیں۔اسی قسم کے ملے جلے تاثرات کو ڈرامے میں بھی شامل کیا گیا ہے۔

اسی حوالے سے قیصرہ حیات اپنے ڈرامے "الف اللہ اور انسان" میں رقم طراز ہیں:

''نازی (چھوٹی ملکانی): چپ کرو، چپ کرو۔ تم ہیجڑے یہاں کیوں آئے ہو؟

ملکانی صاحبہ (نازی کی والدہ): کیا ہو گیا ہے نازی میں نے بلایا ہے۔

نازی: رونق لگانے کے لیے یہ ہیجڑے ملے تھے۔ گانا تو آتا نہیں ہے بس بھیں بھیں کری جا رہے ہیں۔ نکلو یہاں سے۔ نکلو تم لوگ۔

ملکانی صاحبہ: ایسے نہیں بولتے ان لوگوں سے۔ بڑی بددعا لگتی ہے۔

نازی: ہاں بددعا تو ان کی لگنی ہے پہلے اپنے آپ کو دعا تو دے لیں۔ کسی اور کو جا کے بددعا دینا۔

خواجہ سرا: چھوٹی ملکانی! اتنا غرور نہ کر اپنے مکمل انسان ہونے پر۔ جس خدا نے تجھے بنایا ہے اسی نے ہمیں بنایا ہے ہاں ں۔۔

نازی: اچھا تو پھر یہاں کیا کر رہے ہو۔ جاؤ جا کے کسی حویلی میں میری طرح بیٹھو نا بڑے آئے انسان۔''[۱۶]

کھسروں کا کہنا ہے کہ اجتماعی دھارے میں رہتے ہوئے انسان کا اپنے مفادات کی نگرانی کرنے میں ہی انسانی بھلائی اور ترقی کا راز پنہاں ہے۔ڈر خائم کا کہنا ہے کہ انسان معاشرے سے کٹ کر انفرادی طور پر زندگی نہیں گزار سکتا۔اسے اجتماعی طور پر سماج میں اپنا ایک اہم کردار ادا کرنا ہو گا اسی طرح خواجہ سراؤں کو بھی یہ حق ہے کہ وہ اس معاشرے کا حصہ ہوتے ہوئے اس اجتماعی سطح پر انسانیت کی بھلائی اور معاشرے کی ترقی کی طرف خاص توجہ دیں۔اگر ایک فرد چاہے وہ خواجہ سرا ہو یا مرد و عورت اس کا معاشرے کے ساتھ ایک گہرا رشتہ ہوتا ہے، وہ معاشرے سے جدا ہو گا تو ایسی صورت میں سامنے موت ہی نظر آئے گی۔یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ جب معاشرے کی ترقی کا انحصار اجتماعیت یعنی اجتماعی کوششوں پر منحصر ہے۔تو پھر خواجہ سراؤں کے ساتھ ایسا رویہ کیوں رواں رکھا جاتا ہے۔ڈراما سیریل "خدا میرا بھی ہے" سے لیا گیا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

''زین: دعا لینے نہیں آئے، اسے دینے آئے ہیں۔ ببلی جی یہ ہمارا بچہ آپ لوگوں جیسا ہے۔ماہی دے دو اسے۔

ببلی جی: ٹھیک ہے جو ہم جیسا ہے تو یہی صحیح ہے۔آج سے یہ ہمارا ہوا۔''[۱۷]

یہاں یہ بات واضح رہے کہ ڈرخائم نے جس اجتماعیت کی بات کی ہے۔اس حوالے سے دیکھا جائے تو خواجہ سراؤں کو پیدا ہوتے ہی گرو کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔انہیں اپنی الگ دنیا بسانی پڑتی ہے، جبکہ ان کا بھی حق ہے کہ وہ ہمارے معاشرے کا حصہ بن کر اس کی ترقی میں کردار ادا کریں۔خواجہ سراؤں کو بھی معاشرے کا حصہ سمجھتے ہوئے اجتماعی طور پر معاشرے کی تشکیل میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

۲۔باہمی اشتراک پر مبنی معاشرہ:

خواجہ سراؤں کو ہمارے معاشرے میں قبول نہیں کیا جاتا۔جبکہ معاشرے کی ترقی کا انحصار مل جل کر معاشرے کی تشکیل پر مبنی ہے۔باہمی اشتراک سے ہی معاشرے کی ترقی ممکن ہے۔ہمارا معاشرہ اسلامی اصولوں پر استوار کیا گیا ہے اور ہمارے دین میں کسی کو کمتر سمجھنے کی ممانعت ہے۔تمام انسان برابر ہیں اور انہیں ایک خدا نے پیدا کیا۔کسی کی تذلیل نہیں کرنی چاہیے۔معاشرے کی بنیاد باہمی اشتراک پر استوار کرنا ہی معاشرے کی ترقی کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

ڈرخائم کے مطابق معاشرے کی تشکیل میں تمام افراد کو مل جل کر اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔اس لیے خواجہ سراؤں کو بھی یہ حق میسر ہونا چاہیے کہ وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہ کر اس سماج کا حصہ ہوتے ہوئے اپنا کردار بخوبی نبھائیں جبکہ ہمارے معاشرے میں تیسری جنس کو پیدا ہوتے ہی خواجہ سرا طبقے کی تحویل میں دے دیا جاتا ہے۔معاشرے کے ماتھے کا کلنک خواجہ سرا نہیں بلکہ وہ والدین اور بہن بھائی ہیں جو معاشرے کے خوف سے انہیں خود سے جدا ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔

اس حوالے سے ڈراما سیریل "خدا میرا بھی ہے" کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

> ''ماں: وہ تمہارا خون ہے پر تم جیسا نہیں ہے۔ماننا مشکل ہے، لیکن وہ یہاں نہیں رہ سکتا۔۔۔
> زین: لیکن ماں میں خود کو، ماہی کو۔۔۔۔ نہیں ماں۔۔۔۔۔۔
> ماں: کیا نہیں؟ زین تم کیا سمجھتے ہو میں ماہی کی تکلیف نہیں سمجھتی۔میں بھی ایک عورت ہوں،
> ایک ماں ہوں لیکن اس کو یہ کرنا ہو گا لوگ کیا کہیں گے زین؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔''[۱۸]

اگر خواجہ سراؤں کو معاشرے کا حصہ سمجھا جائے اور انہیں مواقع فراہم کیے جائیں تو وہ بھی اعلیٰ عہدوں پر فائض ہو کر اپنے والدین کے لیے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔کچھ ایسا ہی ڈراما "سر راہ" میں بھی پیش کیا گیا ہے۔سارنگ نامی خواجہ سرا جب اعلیٰ عہدے پر فائض ہو جاتا ہے اور والد کی وفات کے بعد اپنی سوتیلی والدہ اور بھائی کا

بے حد خیال رکھتا ہے۔اس کو یہ احساس دلاتا ہے کہ اس کا بھائی اکیلا نہیں بلکہ سارنگ ہمیشہ ہر معاملے میں اس کی مدد کو تیار ہے۔اب سارنگ گھر کا واحد کفیل بن چکا ہے اور اپنی سوتیلی ماں اور بھائی کو معاف کر کے ان کی کفالت کرتا ہے۔یہ تمام باتیں ہمیں یہ احساس دلاتی ہیں کہ ہمیں اپنے معاشرے میں اس طبقے کو بھی ایک خاص مقام دینا چاہیے تاکہ یہ بھی سماج کے لیے کار گر ثابت ہو سکیں۔

۳۔طبقاتی فرق:

طبقاتی فرق اجتماعی حقوق اور فرصتوں میں موجود تفاوتوں کو ظاہر کرتا ہے۔جو معاشرت میں مختلف طبقات یا گروہوں کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ان فرقوں کا باعث عموماً اقتصادی، سماجی اور سیاسی عوامل ہوتے ہیں۔طبقاتی فرق میں شامل ہوتے ہیں، مالی حیثیت، روزگار، تعلیم، صحت کی دیکھ بھال، رہائش کے معیار اور موقعیت سمیت دیگر عوامل۔معاشرت میں عام طور پر مختلف طبقات یا گروہوں کے درمیان فرق موجود ہوتے ہیں۔جیسے زمیندار، مزدور، صنعتی مالک، کار گر وغیرہ ان کے علاوہ سب سے اہم خواجہ سراؤں کا طبقہ ہے جس کے ساتھ نامناسب رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔اس فرق کو واضح کرنے کے لیے ایک اقتباس قابل غور ہے۔

> ''نور (خواجہ سرا): سب میرا مذاق اڑاتے ہیں وہ مجھ سے گھن کھاتے ہیں۔
>
> ماہ گل: جو لوگ تمہارا مذاق اڑاتے ہیں ان میں ظرف نہیں ہے۔خدا نے تم کو اور تم جیسے بچوں کو بنایا ہے اور اس میں کیا مصلحت ہے وہ صرف وہی جانتا ہے۔لیکن دنیا والے تمہارے اور تم جیسے بچوں کے ساتھ جو سلوک اختیار کرتے ہیں وہ بالکل غلط ہے۔تم لوگ سڑکوں پہ اوزار پھرنے کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔وہ تو صرف دنیا کے بنائے ہوئے اصول ہیں۔
>
> نور (خواجہ سرا): لیکن دنیا کے بنائے ہوئے اصول تو دنیا میں ہوتے ہیں نا ماما؟۔۔۔۔۔۔۔۔''[۱۹]

طبقاتی فرقوں کی وجہ اجتماعی عدم برابری، انصاف اور امن کی خطرہ ہوتی ہے۔یہ فرق سماجی اور سیاسی وبحرانات کا باعث بن سکتے ہیں اور ایک معاشرت سے تعلقات اور یکائی کو متاثر کر سکتے ہیں۔طبقاتی فرق کو کم کرنے کے لیے عدلیہ، سیاست، معاشیات اور تعلیم کے شعبوں میں اصلاحات کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ ہر انسان کو برابر مواقع اور حقوق فراہم کیے جا سکیں۔

٤۔اخلاقیات:

انسانیت کے لیے وحشی درندے سے زیادہ خطرناک شخص وہ ہے جو اخلاقی اقدار سے خالی ہو۔آدمیت کا

انحصار اخلاقیات پر ہے۔اخلاقیات سے ہی انسان ہر قسم کے خسارے، تنازع سے محفوظ رہ سکتا ہے۔معاشرے کو پر سکون بنانے کے لیے اخلاقیات کا دامن تھامے رکھنا ہوگا۔اخلاق کو انسانیت کا زیور کہا گیا ہے۔جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوق ہے اور وہ جانوروں کے بالکل الگ ہے۔انسانوں میں شعور موجود ہوتا ہے جبکہ جانور اس سے بے بہرا ہوتے ہیں۔یہاں ہم ڈرخائم کے نظریے معاشرتی حقائق کا ذکر کرتے چلیں جس میں ڈرخائم نے بھی اخلاقیات کو معاشرتی ترقی کے لیے بے حد ضروری امر قرار دیا ہے۔

منتخب کیے گئے ڈراموں میں اخلاقی اقدار کی پامالی بھی جگہ جگہ دکھائی گئی ہے۔ہمارے معاشرے کا کمزور اور پسا ہوا طبقہ خواجہ سرا جس کی پریشانیوں کی طرف توجہ کرنے کی بجائے لوگ ان کے ساتھ برا برتاؤ کرتے ہیں۔ان کے عزیز و اقارب ان کو قبول کرنے سے انکاری ہوتے ہیں۔یہ نامناسب رویوں کا شکار رہتے ہیں۔ان کو معاشرے کے تلخ اور غیر انسانی رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو کہ اخلاقیات کے دائرے سے باہر ہے۔

اس سے مطابقت رکھتا ہوا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''ٹیکسی ڈرائیور: آپ کے بھائی کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے کیا؟ عجیب و غریب اشارے کر رہا ہے۔سارنگ (خواجہ سرا): اگنور کریں آپ اسے۔یہ ہمیشہ سے بدتمیزی کرتا ہے۔''[۲۰]

اخلاقی پامالی کی بہترین مثال ہمیں ندرت اور شبیر احمد جو کہ سارنگ نامی خواجہ سرا کے والدین ہیں،ان میں ندرت اس کی سوتیلی والدہ ہے،ان کے مابین ہونے والے مکالمے سے مل جاتی ہے۔ندرت بے حد تلخ الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے اپنی نفرت کو ظاہر کرتی ہیں اور اخلاق کے تمام دائرے عبور کر چکی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ ندرت کا اپنے سوتیلے بیٹے سارنگ (خواجہ سرا) سے نفرت ہے ندرت شبیر احمد سے اس کی زنخا اولاد کو اس جیسوں کے پاس چھوڑانے کا کہتی ہے جس پر ان کے مابین بحث و تکرار شروع ہو جاتی ہے ان کے مابین ہونے والی گفتگو اخلاقی پامالی کی وضاحت کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ڈراما سیریل "الف اللہ اور انسان" اور "خدا میرا بھی ہے" میں بھی اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ ان کو طرح طرح کے طعنوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔خواجہ سراؤں پر بچے کیا نوجوان بھی آوازیں کستے ہیں۔ان کو دیکھ کر سیٹیاں بجائی جاتی ہیں۔ان کے ساتھ نامناسب رویہ رواں رکھا جاتا ہے۔

درج ذیل اقتباس ڈراما "خدا میرا بھی ہے" کی قسط نمبر ۱۳ سے لیا گیا ہے:

> ''بچے (کھیل کے میدان میں): تو بھی کھیلے گا۔(دھکا دیتے ہوئے) کھیل سکو گی کیا؟ بھاگ سکو گی دھنو۔آئے ہائے! دیکھو دوستو! اس کی آنکھوں میں تو موٹے موٹے آنسو آ گئے۔مامانے بتایا

نہیں کیا؟ کہ مرد فٹبال کھیلتے ہیں۔۔۔۔۔۔

(بھاگتے ہوئے میکائیل انکل کے پاس پہنچ جاتا ہے)

میکائیل: نور!۔۔۔۔۔ارے۔

نور (خواجہ سرا): میں ایسا کیوں ہوں؟ میکائیل انکل میں ایسا کیوں ہوں؟ سب لوگ میرا مذاق کیوں اڑاتے ہیں۔ آپ کچھ بولتے کیوں نہیں مجھے Answer چاہیے۔"[۲۱]

ڈراما "الف اللہ اور انسان" میں بھی ان کے ساتھ رواں رکھے گئے غیر معقول برتاؤ کو کچھ اس انداز میں پیش کیا ہے کہ جب شاموگھر سے باہر نکلتا ہے تو اوارہ لڑکے اس پر جملے کستے ہیں۔ اسے چھیڑتے اور ناچنے کو کہتے ہیں۔ اسے مجبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ ان کے سامنے ناچ کر دکھائے۔ ان تمام رویوں سے اخلاق کی شکستہ حالی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ خواجہ سراؤں کے ساتھ اپنایا جانے والا رویہ انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ الگ سے اپنی ایک دنیا بسالیں۔ یہ مخنث افراد انہی سماجی رویوں کی وجہ سے کسی ادارے میں کام نہیں کر پاتے اور نہ ہی وہ تعلیم حاصل کر پاتے ہیں۔ یہ برتاؤ ان کے لیے زبوں ترین استحصال کا موجب بنتا ہے۔

المختصر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈرخائم تواناں معاشرے کی تشکیل کے لیے متفقہ طور پر تمام معاشرتی حقائق کو بخوبی نبھانے پر زور دیتا ہے۔ ہمیں اس بات کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ سماج میں بسنے والے تمام افراد، طبقات برابر ہیں اور انہیں مساوی حقوق فراہم کرنا اسی سماج کا فریضہ ہے۔ ڈرخائم معاشرے کی بہترین تشکیل کے لیے انفرادیت کی بجائے اجتماعیت پر مبنی فیصلے لینے کی تلقین کرتا ہے۔

ج۔ خواجہ سراؤں کی سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور مسائل کی عکاسی (مختصر جائزہ)

۱۔ خواجہ سراؤں کی سماجی زندگی کی عکاسی:

عربی زبان کا لفظ "معاشرہ" کے لیے ہندی میں "سماج" کا لفظ مستعمل ہے اور انگریزی میں سماج کے مترادف کے طور پر "سوسائٹی" Society کا لفظ زیر استعمال ہے۔ "معاشرہ" کے لفظی معنی اکٹھا رہنے کے ہیں۔ سماج سے متعلق ویبسٹر زنیو انگلش ڈکشنری کی پیش کی گئی تعریف کچھ یوں ہے:

"Human beings in general taken in relation 21 another and organised communist community a body of persons United for some of person United for some common purpose the more cultivated or more fashionable part of the

community."[۲۲]

فطری طور پر انسان کو ایک معاشرتی حیوان کہا گیا ہے۔ آپس میں روابط قائم کرنا اور مل جل کر رہنا ہی ایک معاشرے کی بنیاد ہے۔ معاشرے کو بنانے کے لیے انسانوں کی اشد ضرورت پڑتی ہے۔ جب ایک معاشرہ قائم ہو جائے تو پھر اس میں رہنے والے افراد اس سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرہ انسانوں کے لیے لازم و ملزوم ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ انسان کے ساتھ ساتھ معاشرہ بھی محتاج ہے انسانوں کا۔ انسان کے رویے اور رجحانات سے ہی کسی معاشرے میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ انسان مختلف عقائد و نظریات کے ساتھ ساتھ مختلف مزاج کا بھی مالک ہے۔ انسان کی فطرت کا المیہ یہ ہے کہ وہ خود کو معزز اور باوقار کہلوانا چاہتا ہے۔ جس کے لیے وہ دوسروں کو نیچا دکھاتا ہے۔ انسان یہ سب کچھ دولت، شہرت اور طاقت کے بل پر کرتا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے مدمقابل آنے والے تمام لوگوں کو مختلف گروہوں فرقوں اور طبقوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

معاشریات کی جمع تعریف کرتے ہوئے پارسنز رقم طراز ہیں: " انسانی گروہوں کی ساخت اور اس کے وظائف کے سائنسی مطالعے کو معاشریات کہا جاتا ہے۔"[۲۳]

پاکستان اور بھارت کی تہذیب آپس میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے۔ اسی بنا پر دیکھا گیا ہے کہ ہندوستانی معاشرہ ذات بات، اعلیٰ و ادنیٰ کی تقسیم محاصرہ کیے ہوئے ہیں۔ جس قدر معاشی مضبوطی کا حامل شخص ہوگا، اسی قدر دوسرے کو دبانے کے چکر میں رہے گا۔ دولت مند خود کو معزز گردانتا ہے۔ جس کے باعث نچلے طبقے کے لوگوں کو ذرا برابر اہمیت نہیں دیتا۔ خواجہ سرا بھی اسی معاشرے کا ایک حصہ ہے۔ اسے بھی اس طبقاتی فرق کے سبب استحصال کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ تمام رویے ہی معاشرے کی نہ ہمواری کا موجب ہے۔ جس سے معاشرے میں ذات پات کی تفریق اور اونچ نیچ کی فوقیت کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ اسی ضمن سے متعلق ہم نے اپنے مقالے میں خواجہ سراؤں کی زندگی کے مسائل اور مختلف پہلوؤں کو موضوع سخن بنایا ہے۔

۲۔ معاشرتی پہلو:

معاشرے میں سب سے اہم کردار خاندان کا ہوتا ہے۔ خواجہ سراؤں کو معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہوئے بہت سے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان کا اپنے والدین کے ساتھ مل جل کر رہنا، رشتہ داروں کا رویہ، دوست احباب وغیرہ سب معاشرتی پہلو میں شامل ہے۔ کھسرے اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ رہنا تو چاہتے ہیں مگر اس صورت میں ان کے والدین اور بہن بھائیوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ انہیں اپنے پاس

اسی سبب سے رکھ نہیں پاتے۔

سیف الرحمن اپنی کتاب "درمیانے" میں اسی حوالے سے رقم طراز ہے کہ:

''ایک کھسرے کو اس کے بہن بھائیوں نے گھر رکھ لیا۔ جب کھسرے کے متعلق ان کے رشتہ داروں کو پتہ چلا تو انہوں نے ان سے ملنا جلنا بند کر دیا۔ کھسرے کی وجہ سے اس کی بہن کا رشتہ طے نہیں پا سکا۔ پیاروں کے ساتھ لوگوں کا برا سلوک دیکھ کر وہ کچھ عرصہ بعد واپس گرو کے پاس آ گیا۔''[۲۴]

دیے گئے حوالے سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ والدین اسی سبب اپنی اس اولاد کو گھر رکھنے سے انکاری ہوتی ہے اور خواجہ سرا خود بھی اس قسم کا سلوک دیکھ کر علیحدہ ہو کر اپنے گرو کے پاس چلا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں سے متعلق اگر ان کے دوستوں کو معلوم پڑ جائے یا ان کے ارد گرد کے لوگ جان جائیں کہ وہ خواجہ سرا ہیں، تو ان کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ ایسے بچوں کے ساتھ کوئی کھیلنا پسند نہیں کرتا سب انہیں دھتکارتے ہیں۔ مگر حل یہ نہیں کہ والدین ایسے بچوں کو خود سے جدا کر دیں۔ ایسے والدین ہی خواجہ سراؤں کی زندگی میں زہر گھولنے کا باعث بنتے ہیں۔ معاشرہ انہیں الگ تھلگ رہنے پر مجبور کرتا ہے اور وہ صرف بھیک مانگنے اور ناچنے گانے تک محدود رہ جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں خواجہ سرا ماہین محمد عرف ڈولفن ایان کی گفتگو غور طلب ہے:

''جب میرے Parents نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ لوگوں کی باتوں میں آ کر انہوں نے مجھ پہ expensive بن کر دیے تو میرے لیے بہت difficult تھا اس معاشرے میں رہنا۔''[۲۵]

والدین کی طرف سے قبولیت اور حمایت کا ایک بچے پر بہت اثر مرتب ہوتا ہے۔ یہ اثر مثبت اور منفی دونوں صورت میں ہو سکتا ہے یعنی اگر بچے کو خاص طور پر خواجہ سرا بچے کو والدین قبول نہ کریں تو اس کے اثرات بے حد سنگین ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان بچوں کو پہلے ہی معاشرے میں امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس ساری صورتحال کے نتیجے میں جن مسائل و مشکلات کا سامنا خواجہ سرا بچے کو کرنا پڑتا ہے، اس میں ڈپریشن کی بلند شرح، اضطراب اور گھر سے بے گھر ہونے جیسے مسائل شامل ہیں۔

انٹرویو کے دوران کیے گئے سوال کے جواب میں آئمہ نامی خواجہ سرا کا کہنا تھا:

''جب وہ گھر والوں سے ملنے جاتی ہے تو وہ نسوانی لباس زیب تن نہیں کرتی۔ کیونکہ ان کا خاندان اس فکر میں مبتلا رہتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔''[۲۶]

بدقسمتی سے، پیچیدہ عوامل کے سبب خواجہ سراؤں کے والدین اپنے مخنث بچے کو قبول نہیں کر پاتے۔ معاشرتی رویوں کے خوف اور ذاتی تعصبات ہی والدین کے زنخا بچوں کو خود سے دور کرنے کا باعث ہیں۔ بعض والدین خود بھی ان بچوں کی پرورش کو باعث توہین سمجھتے ہیں۔ جن کی بناپر وہ انہیں اپنانا نہیں چاہتے ہیں۔

آیانہ نامی خواجہ سرا نے اس سلسلے میں کہا ہے کہ:

''میرا خاندان میرا مالک نہیں تھا۔ جب میرے خاندان نے مجھے گرو کے پاس چھوڑ دیا۔ وہ مجھے اپنے پاس رکھنے میں شرم محسوس کرتے تھے۔ وہ میرا تعارف ہمارے رشتہ داروں اور دوستوں سے نہیں کرواسکتے۔ میں ان کے لیے بدنما داغ تھا۔[۲۷]

ایسے ماں باپ اپنے بچے کی صنفی شناخت کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ مگر اس بات پر یقین ہونا چاہیے کہ یہ تمام عوامل کسی صورت خواجہ سرا بچوں کو مسترد کرنے کا جواز نہیں بن سکتے۔ ان بچوں کی ذہنی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے ان کی حمایت اور قبولیت بے حد ضروری ہے۔ ایسے بچوں کی مدد کے لیے وسائل دستیاب ہیں۔ ان کی شناخت درست ہے۔ یہ بھی احترام و محبت اور قبولیت کے مستحق ہیں۔

یہ تحقیق خواجہ سراؤں کی زندگی کے ایک اور پہلو سے بھی پردہ اٹھاتی نظر آتی ہے کہ بعض خواجہ سرا اپنی شناخت کو خاندان کے دیگر افراد یعنی رشتہ داروں، دوست احباب اور عزیز و اقارب سے چھپاتے ہیں۔ انہیں ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں وہ انہیں قبول کرنے سے انکار نہ کر دیں۔ ان کے والدین کو اس صورت میں بہت سی تکالیف برداشت کرنی پڑ سکتی ہیں۔ ان کی کوشش رہتی ہے کہ کسی کو شک و شبہ نہ ہو بصورت دیگر خاندان انہیں مختلف قسم کے مسائل، جن میں خاندانی جائیداد سے انکار، بدسلوکی اور مسترد کیے جانے کا ڈر شامل ہے، سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے۔ والدین اپنے بہرے لنگڑے نابینہ غرض چوری چکاری کے عادی بچے کو تو قبول کر خاندان والے کم عمری میں ہی گرو کے سپرد کر دیتے ہیں۔

اگر اس حوالے سے مثبت پہلو تلاش کریں تو معلوم پڑتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایسے والدین بہت کم ہیں جو اپنے مخنث بچوں کو قبول کرتے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیتے ہیں اور ان کو ایک اعلی مقام تک رسائی میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے والدین بھی معاشرتی پیچیدہ برتاؤ کا سامنا کرتے ہیں۔ ان کے لیے بھی سماج میں رہنا مشکل ہو جاتا ہے مگر وہ اپنے بچوں کو خود سے دور نہیں ہونے دیتے۔ ایسی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں۔ ان میں سر فہرست ڈاکٹر مہراب معیز اعوان اور فیاض اللہ عرف فیضی جیسے نام شامل ہیں۔

معروف ماڈل اور نیوز کاسٹر ماروی ملک جنہوں نے ۲۰۱۸ء میں گریجویشن کے بعد "کوہ نور نیوز" میں کام

شروع کیا۔ان سے لیے گئے انٹرویو سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں بھی دیگر خواجہ سراؤں کی طرح کم عمری میں ہی گھر سے نکال دیا گیا تھا۔انہیں اپنے اخراجات خود پورے کرنے پڑے۔ان کا کہنا تھا کہ وہ ایک اعلی ملازمت اختیار کر تو چکی ہیں مگر ان کی کہانی سڑک پر بھیک مانگتے اور ناچ گانا کرتے خواجہ سراؤں سے مختلف نہیں ہے۔سب خواجہ سراؤں کی کہانی ایک جیسی ہے۔

گھر بدر ہونے کے سلسلے میں بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے ماروی ملک کا کہنا تھا کہ :

''میرے گھر والوں نے مجھے میٹرک تک تعلیم دلوائی اور اس کے بعد انہوں نے میرے سے تعلق ختم کر دیا۔میں نے گریجویشن تک کی تعلیم کا خرچہ خود اٹھایا ہے اور ماسٹرز کے لیے بھی خرچہ میں خود ہی اٹھاؤں گی۔''[۲۸]

پاکستان میں موجود خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی پر تحقیق کے دوران ہم نے مخنث افراد کے گرو سے متعلق بھی بہت کچھ جانا یعنی گرو ان افراد کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ گرو کو خواجہ سرا برادری میں سب سے زیادہ تجربہ کار اور قابل احترام رکن جانا جاتا ہے۔وہ تمام مخنث افراد کا سرپرست ہوتا ہے۔ان کی کفالت کا ذمہ اس کے سر ہے۔خواجہ سراؤں کو رہنمائی اور مدد فراہم کرنا، ثقافتی روایات اور اقدار کی تعلیم دینا، تحفظ کی پیشکش فراہم کرنا، سماجی اور اقتصادی مشکلات سے نمٹنے کے طریقے سکھانا اور مذہبی و ثقافتی رسومات کی ادائیگی جیسے تمام کام گرو ہی کی مدد سے حل ہو پاتے ہیں۔بدلے میں گرو کے شاگرد (چیلا) اپنے گرو کو احترام اور وفاداری کے ساتھ ساتھ کمائی ہوئی آمدنی کا تقریباً سارا حصہ دے دیتے ہیں۔ان کے مابین ایک گہرا تعلق ہمیشہ قائم رہتا ہے۔

۳۔ تعلیمی پہلو:

تعلیم انسان کو شعور دیتی ہے۔اس کی شخصیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔خواجہ سراؤں کو چند عرصہ قبل تعلیم حاصل کرنے کا اتنا اشتیاق نہ تھا۔اب بھی زیادہ تر خواجہ سرا تعلیم کے مشغل سے دور رہنا پسند کرتے ہیں۔اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ خواجہ سراؤں میں پڑھائی کا رجحان نہیں پایا جاتا۔آج کل کے دور میں بہت سے ایسے خواجہ سرا موجود ہیں جو اس فریضے کو انجام دے رہے ہیں۔انہیں تعلیمی معاملات میں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر وہ ہمت نہیں ہارتے۔اگر یہاں خواجہ سرا فیاض اللہ کی بات کی جائے تو بے جا نہ ہوگا۔کیونکہ وہ بہت سے کٹھن مراحل سے گزرنے کے بعد تعلیم حاصل کر کے اب ایک اعلی عہدے پر فائز ہیں۔ہمارے معاشرے کا ایک

محروم طبقہ جو کہ خواجہ سراہیں ان کو تعلیمی مواقع فراہم کرنے کے لیے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ایک اہم کردار ادا کر رہی ہے۔اس ادارے میں خواجہ سراؤں کو مفت تعلیم کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔بہت سے خواجہ سرا جو تعلیم یافتہ ہیں اور مختلف عہدوں پر فائض ہیں اسی ادارے کے سبب ممکن ہو پائے ہیں۔ہمارے ملک میں خواجہ سرا برادری کو سماج کا ایک محروم طبقہ ہونے کی وجہ سے کئی طرح کی سماجی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔انہیں تعلیمی مواقع تو میسر ہیں مگر اس فریضے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بہت سے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔کٹھن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

عائشہ مغل رقمطراز ہیں:

> ''مجھے آج بھی اسلام آباد کی کام سیٹس یونیورسٹی کے وہ چھ سال یاد ہیں جو میرے لیے سکول، کالج اور بچپن کے دور سے زیادہ اذیت ناک تھے۔لیکن آج مجھے اپنا پڑھائی نہ چھوڑنے کا فیصلہ درست لگتا ہے۔میں شاید اگر ایسا نہ کرتی تو اپنی تلاش کے باوجود ادھوری رہ جاتی۔اس جدوجہد کا حصہ نہ بن پاتی جو میں نے پاکستانی پارلیمان کے ساتھ مل کر اپنی کمیونٹی کے حق میں قانون سازی کے لیے کی۔''[۲۹]

مزید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۶۰ فیصد سے زائد خواجہ سرا سماجی رکاوٹوں کی وجہ سے تعلیم حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔معاشرے کا کامیاب رکن یا شہری بننے کے لیے تعلیم ایک بنیادی ضرورت ہے۔مگر اس طبقے کو علم سے متعلق کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔دیگر بچے اور والدین سکولوں میں ان کے داخلے سے گریزاں ہیں، جس کے سبب انہیں تعلیمی اداروں میں قبول کرنے کی شرح باقی طبقات کے مقابلے میں کم ہیں۔گرو کو بھی تعلیم سے محرومی کی ایک وجہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

خواجہ سراؤں سے لیے گئے انٹرویوز میں وہ بتاتے ہیں کہ ان کی تعلیم اتنی ضروری نہیں کیونکہ گرو کا کہنا ہے کہ انہیں دن کے وقت کچھ کمانا چاہیے۔اگر وہ تعلیم حاصل کرنے میں مگن ہو جائیں گے۔تو کما نہیں پائیں گے۔اس طرح ہمیں مزید مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر خواجہ سرا جو عام گلی محلوں میں رہتے ہیں سکول جانے کو فوقیت نہیں دیتے ہیں۔اگر یوں کہا جائے کہ ۶۰ سے ۷۰ فیصد مخنث افراد کو تعلیم سے دور رکھا جاتا ہے یا وہ مشکلات کے پیشِ نظر تعلیم سے دوری اختیار کر لیتے ہیں تو بے جا نا ہو گا۔

تعلیمی اداروں میں داخلے سے متعلق جس قسم کے رویے کا خواجہ سراؤں کو سامنا رہتا ہے، ایک خواجہ سرا نے اس کی بھرپور انداز میں وضاحت کی کہ:

''سکول کالج اور یونیورسٹی میں ان کے لیے کوئی خاص نشستیں مختص نہیں کی گئیں۔اگر کسی خواجہ سرا کو سکول یا کالج میں داخلہ مل جائے تو طلبہ اور انتظامیہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک کا مظاہرہ کرتی ہے۔''[۳۰]

مخنث افراد کی فلاح و بہبود اور حقوق کے تحفظ کے لیے سر گرم عمل رہنے والی خواجہ سرا بلی ملک کا بھی یہی کہنا تھا کہ ان کے طبقے میں تعلیم کی بے حد کمی ہے۔ تعلیم کے فقدان سے متعلق سارہ گل نامی خواجہ سرا ڈاکٹر کا بھی یہی مؤقف تھا کہ ہمارے معاشرے میں اس طبقے کی تعلیم پر بھی توجہ کی ضرورت ہے۔سندھ حکومت کی جانب سے اس سلسلے میں کوششیں جاری ہیں۔ ۲۰۲۲ء میں ایک پالیسی تشکیل دینے کا اعلان کیا گیا تاکہ خواجہ سراؤں کو تعلیمی مواقع فراہم کیے جا سکیں۔روزگار کے حصول کے لیے تعلیمی نظام کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔شیلہ رانی نامی خواجہ سرا کا کہنا تھا کہ :

''ہم چاہتے ہیں کہ وفاق اور سندھ حکومت دونوں ایک پالیسی تشکیل کریں۔جس کے تحت خواجہ سرا کمیونٹی کی تعلیم کے مطابق ان کو اچھے عہدے فراہم کیے جائیں۔''[۳۱]

دوران تعلیم دیگر طلبہ ء کا رویہ غیر مناسب ہوتا ہے۔جس کے سبب خواجہ سراؤں کو تعلیم حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا رہتا ہے۔وہ ذہنی الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔احساس کمتری کا جذبہ ان میں سرایت کر جاتا ہے۔خواجہ سراؤں سے لیے گئے انٹرویوز کے ذریعے ہمیں معلوم ہوا کہ ان کے زمانہ طلب علمی آسان نا تھا۔انہیں دوست بنانے میں خاصی مشکل پیش آتی تھی۔ان کے آس پاس کے لوگ ان کا مذاق اڑاتے،ان پر جملہ بازی کرتے دکھائی دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نصف سے زیادہ خواجہ سرا تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔وفاقی آفسر عائشہ مغل نامی خواجہ سرا کہتی ہیں کہ دورانِ تعلیم انہیں بہت سے القابات سے نوازا گیا انہیں تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔سب سے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ طلبہ ء کی ان حرکات پر کسی استاد کی جانب سے مزاحمت نہیں کی گئی۔

عائشہ مغل کے بیان کردہ الفاظ یہ ہیں کہ :

''جب بھی مجھے میرے کلاس فیلوز اور دیگر طالب علم کلاس میں یا لیکچر ہال میں داخل ہوتے ہوئے دیکھتے تو آوازیں کسنا شروع ہو جاتے۔وہ مجھے سسٹر سسٹر کہتے۔نہ دوست،میرے اساتذہ کوئی آگے بڑھ کر مذاق اڑانے والوں کو چپ نہیں کراتا تھا۔''[۳۲]

ہمارے معاشرے میں رہنے والے تمام لوگوں کو اپنی سوچ تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔اگر ہم خواجہ سرا طبقے کو بھی اس معاشرے کا حصہ سمجھتے ہوئے ان کو ہر ممکن تعلیمی مواقع فراہم کریں گے تو اس باہمہ تعاون سے ہمارا معاشرہ آگے بڑھ پائے گا۔مخنث افراد کی تعلیم کے حوالے سے الگ پالیسی تشکیل دینے کی ضرورت

ہے۔ کیونکہ اس طبقے کو بھی تعلیم حاصل کرنے کا حق ہے۔اسی سلسلے میں ایک سکول قائم کیا گیا ہے اور اسی کاوش کے پیشِ نظر حکومت کو چاہیے کہ اسی طرح مزید پالیسیوں پر عمل درآمد کیا جائے تاکہ خواجہ سراؤں کو تعلیمی امور میں کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نا کرنا پڑے۔

خواجہ سراؤں کو باقی بچوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا حق نہیں۔ جس کے سبب ان کے لیے علیحدہ سکول قائم کیے جاتے ہیں۔ایسے بچوں کو سکول میں داخل کرواتے ہوئے اپنی جنس واضح کرنی ہوتی ہے۔ جبکہ سکول فارم میں صرف دو جنس موجود ہوتی ہیں مرد اور عورت۔اکثر سکولوں میں ایسے بچوں کو داخلہ نہیں دیا جاتا۔ان تمام مسائل کے پیش نظر خواجہ سراؤں کے لیے علیحدہ سکول کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ایسے ہی ایک سکول کا نام "جینڈر گارڈین سکول" ہے، جہاں ملک کے مخنث افراد کو تعلیمی مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ صرف یہی نہیں سندھ حکومت کی جانب سے اس قسم کی پالیسیوں پر عمل درآمد کیا جاتا رہا ہے۔ ہمارے معاشرے میں رہنے والے تمام لوگوں کو اپنی سوچ تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔اگر ہم خواجہ سرا طبقے کو بھی اس معاشرے کا اہم حصہ سمجھتے ہوئے ان کو ہر ممکن مواقع فراہم کریں تو اس باہمی تعاون سے ہمارا معاشرہ آگے بڑھ پائے گا۔

٤۔ سماجی پہلو:

ہر طبقے کے افراد کو سماجی مسائل کا سامنا ہے۔اس قسم کے مسائل ہر شخص کو متاثر کرتے ہیں۔خواجہ سراؤں کا شمار بھی انہی میں ہوتا ہے۔ ہمارے سماج کا مظلوم طبقہ ان کے حقوق پر بھی خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ بہت سے سماجی امور میں انہیں ان کی شناخت کے باعث اہمیت نہیں دی جاتی، دیگر افراد کی طرح یہ بآسانی کہیں ملازمت اختیار نہیں کر پاتے۔ مخنث افراد کے حقوق کی فراہمی کے سلسلے میں کئی اجلاس بھی مقرر کیے گئے۔ یہاں تک کہ ان افراد کو وراثت میں بھی پورا پورا حق دیا جانا چاہیے۔ان کے حقوق کو پامال کیا جاتا ہے۔اج کے اس دور میں جہاں مخنث افراد کو بہت سے سماجی مسائل کا سامنا ہے۔ وہیں ان کے حقوق کی طرف بھی خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔خواجہ سراؤں کے وجود کو تسلیم کرنے اور انھیں بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی کے لیے سینیٹ کے بعد قومی اسمبلی نے بھی بل پاس کیا ہے۔ داٹرانسجینڈر پرسن پروٹیکشن آف رائٹس بل ۲۰۱۸ء جسے اب ملکی قانون کا حصہ بنا دیا گیا ہے کی تیاری میں ملک کی پہلی خواجہ سرا لیکچرر عائشہ مغل، نیشنل ٹاسک فورس کا حصہ تھیں۔خواجہ سرا عائشہ مغل کا کہنا تھا کہ ابتدا میں مجھے بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر پھر جب میری حوصلہ افزائی شروع ہوئی تو میں نے خود کو پہچاننا شروع کیا اور ایک اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی تگ و دو شروع کر دی۔ان کا کہنا ہے کہ :

''میری زندگی میں ایک اہم موڑ ۲۰۱۷ء میں آیا۔جب ملک کی سب سے بہترین شمار کی

جانے والی یونیورسٹیز میں سے ایک قائداعظم یونیورسٹی نے مجھے مہمان سپیکر کے طور پر
جینڈر سٹڈی ڈیپارٹمنٹ میں بلایا۔''[۳۳]

خواجہ سرا کمیونٹی کو اس بات کا گلہ رہتا ہے کہ ان کے مسائل اور ان کے حقوق کی طرف کبھی کسی نے سنجیدگی سے نہیں سوچا. بعض غیر تعلیم یافتہ مخنث افراد کو تو انسانی حقوق کے بارے میں کچھ خاص معلوم ہی نہیں اور جو تعلیم یافتہ ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہمارے مسائل اور حقوق کے تحفظ کے لیے تنظیم تب کام کریں گی نا، جب انہیں باقی کاموں سے فرصت ملے گی۔ سیف الرحمن رانا اس سلسلے میں اپنی کتاب "درمیانے" میں کچھ یوں رقم طراز ہیں: ''چند ایک پڑھے لکھے کھسروں نے کہا کہ انسانی حقوق کے علمبرداروں کو بات کرنے کے لیے دوسرے موضوعات سے فرصت ملے تو وہ ہماری طرف توجہ دیں۔ حالانکہ ہم معاشرے کے ایسے افراد ہیں جو مختلف حوالوں سے انسانی حقوق کے علمبرداروں کی توجہ کا مرکز ہونا چاہیے تھے۔''[۳۴]

مخنث افراد کو ہمیشہ مفادات کی جنگ میں نظر انداز کیا گیا ان کے مسائل کو حل کرنے کے سلسلے میں کبھی حکومت نے سنجیدگی سے کوئی اقدام نہیں اٹھایا انہیں ہمیشہ گلا رہتا ہے کہ ان کے ساتھ ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟ آج کے دور میں اب بہت سے ادارے ایسے ہیں جو مخنث افراد کے حقوق کے لیے کوشاں ہیں ان کی کوشش رہتی ہے کہ جب گھر سے ان افراد کو بے دخل کر دیا جائے تو زندگی گزارنے کے لیے مخنث افراد کو جائیداد میں سے جو حصہ ان کے زمرے میں اتا ہے وہ ان کو دے دیا جائے تاکہ خواجہ سرا بچوں کو سڑکوں پر بھیک نہ مانگنی پڑے اور نہ ہی وہ غلط کام کرنے پر مجبور ہوں۔

تمام طبقے برابری کے حقدار ہیں پاکستان کے ائین ۱۹۷۳ء کے مطابق ہر شہری کے بنیادی اور رسمی دونوں حقوق تسلیم کیے جانے چاہیے خواجہ سرا برادری کے ارکان کا مطالبہ ہے کہ ان کے بنیادی حقوق کی عدم فراہمی کے خلاف کاروائی کی جائے خواجہ سرا اپنے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں ہائی کورٹ میں درخواست جمع کرتے رہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس طبقے کو بنیادی حقوق سے محروم رکھا گیا ہے جس کے سبب انہیں زندگی میں کئی قسم کی مشکلات برداشت کرنی پڑتی ہیں ان درخواست دہندگان کے وکیل کا یہی موقف رہتا ہے کہ ان کے بنیادی حقوق اور فلاح و بہبود کی قانون سازی کو یقینی بنایا جائے۔

شریعت کے تحت دیکھا جائے تو شریعت ان کے حقوق سے متعلق برابری کا درس دیتی ہے اسلام خواجہ سراؤں کے وجود کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے حقوق اور قوانین کی ادائیگی پر بھی زور دیتا ہے اس لیے ہمیں ان کے ساتھ ان کے صنفی زمرے کے مطابق برتاؤ کرنا چاہیے ہمارا مذہب ہمیں نہ صرف خواجہ سرا کمیونٹی کے وجود

کو تسلیم کرنے کی تاکید کرتا ہے بلکہ ان سے منصفانہ سلوک کا بھی قائل ہے اسلام بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کا قائل ہے۔

انٹرویو کے دوران کیے گئے سوال کے جواب میں ایک خواجہ سرا کا کہنا تھا کہ انہیں بہت سے معاملات میں امتیازی سلوک کا سامنا رہتا ہے ان کا کہنا تھا کہ :

> ''جو لوگ مجھے سب سے زیادہ تکلیف پہنچاتے ہیں، میری حق تلفی کرتے ہیں، میرے حقوق کی پامالی کرتے ہیں، وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں جب وہ مجھ جیسے لوگوں سے امتیازی برتاؤ کرتے ہیں تو بے حد تکلیف ہوتی ہے۔''[۳۵]

سماجی اور انسانی حقوق کے معاملات پر غور کرتے ہوئے سنجیدگی کا مظاہرہ کیا جانا چاہیے خواجہ سراؤں کو مراعات فراہم کی جانی چاہیے انہیں ہر ممکن سہولیات فراہم کی جائیں اور اس طبقے کے حقوق کے لیے سرگرم رہنے والے اداروں کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ ان کے لیے مزید معاون ثابت ہوں۔

۵۔ مذہبی پہلو:

مذہبی پہلوؤں پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم پڑتا ہے کہ ان کو مدرسے میں قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ مولوی حضرات مخنث افراد کے لیے اس قدر بغض دل میں رکھتے ہیں کہ وہ ان کو محض فحش کرنے والے کثیف سمجھتے ہیں۔ بعض مخنث افراد دین کی طرف مائل ہوتے ہیں مگر معاشرے کا رویہ انہیں دین سے دوری اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس ضمن میں اسلامی نظریاتی کونسل نے خواجہ سراؤں کو ان کے حقوق فراہم کرنے کے لیے جو کوششیں کیں۔ ان میں ان کے مذہبی معاملات کو بھی زیر بحث لایا۔

خواجہ سراؤں کو اکثر افراد مسلمان نہیں سمجھتے مگر ایسا نہیں ہمارے معاشرے کے افراد کے غیر مناسب رویوں کی وجہ سے مخنث افراد دین سے دور ہو جاتے ہیں۔ خواجہ سراؤں میں بھی بہت سے ایسے ہیں جو دین کی طرف رغبت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اسلام آباد میں مخنث افراد کا ایک الگ مدرسہ بھی قائم کیا گیا ہے۔ رانی خان جو کہ بچپن سے دین سے دوری اختیار کیے ہوئے تھیں مگر ایک حادثے نے ان کی زندگی بدل دی اور وہ دین کی طرف لوٹ آئیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جب وہ دیگر لوگوں کی طرح مدرسے جایا کرتی تھی تو وہاں موجود تمام لوگ انہیں مانی خیز انداز سے دیکھا کرتے تھے۔ اسی رویے کے سبب انہوں نے اپنی والدہ سے قرآن ناظرہ سیکھنا شروع کر دیا رانی خان اپنے محلے کی مسجد کے لوگوں کا حال بتاتے ہوئے کہتی ہیں کہ جب وہ نماز کی ادائیگی کے سلسلے میں مسجد جاتیں تو لوگ ان

کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑے ہونا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔لوگ ان سے دس قدم کے فاصلے پر رہتے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر خواجہ سرا دین سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔رانی نے یہ سب محسوس کرنے کے بعد اسلام آباد میں موجود خواجہ سراؤں کے مدرسے کا تمام انتظام وانصرام سنبھال لیااور اب وہاں صرف خواجہ سرا کو دینی تعلیم دی جاتی ہے۔

خواجہ سراؤں کو حج اور عمرے کی سعادت سے محروم رکھا جاتا ہے تحقیقات سے ہمیں علم ہوا کہ جو خواجہ سرا اس سلسلے میں سعودی عرب جاتے ہیں ان پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں ان کی درخواستیں اور پاسپورٹ کو قبول کرنے سے انکار کیا جاتا ہے جبکہ اپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں خواجہ سرا کو معاشرے میں اچھوت نہیں سمجھا جاتا تھا کسی بھی انسان کو محض اس بنیاد پر سزا دینا مناسب نہیں کہ وہ مردانہ جسم کے ساتھ چال ڈھال زنانہ رکھتے ہیں۔تجزیہ نگار وسعت اللہ خان اپنی تحریر خواجہ سراؤں پر غصہ کیوں اتا ہے میں لکھتے ہیں کہ :

> ''کسی خواجہ سرا کو مدینہ بدر کرنے یا محض تیسری جنس سے تعلق ہونے کے سبب قتل کرنے قید کرنے یا شاعر اسلام کی ادائیگی سے روکنے کی کوئی مثال دور نبوی یا بات کے ادوار میں نہیں ملتی۔''[۳۶]

مختلف ادوار میں خواجہ سراؤں کو مختلف فرائض سونپے گئے تھے جیسے کہ عثمانی دور میں مسجد نبوی کی صفائی کا ذمہ خواجہ سراؤں کا تھا اسی طرح مختلف ادوار میں حرم کی دیکھ بھال کا فریضہ بھی انہوں نے سرانجام دیا خواجہ سراؤ کو دیے جانے والے حقوق سے متعلق بہت سے این جی اوز کام کر رہے ہیں جن کی پوری کوشش ہے کہ خواجہ سراؤں کو مذہبی ازادی دی جائے تدفین کے مسائل حل کیے جائیں تاکہ انہیں دینی مدارس میں حج اور عمرہ کرنے کی سعادت وغیرہ جیسے تمام فریضے انجام دینے میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔جہاں تک بات خواجہ سراؤں کے جنازے کی ہے، تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ آج تک کسی نے خواجہ سراؤں کے جنازے کو نہیں دیکھا لوگوں کا کہنا ہے کہ مخنث افراد اپنا مردہ دفناتے نہیں۔مگر اس سلسلے میں خواجہ سرا زیادہ بات کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔جس کی وجہ سے معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔بعض افراد کا کہنا ہے کہ وہ رات کے اندھیرے میں قبرستان آکر اپنا مردہ دفنا جاتے ہیں۔اس سلسلے میں کوئی ٹھوس شواہد موجود نہیں۔

سیف الرحمن رانا ایک جگہ رقم طراز ہے کہ :''پیدائشی کھسرے آبادی سے دور رہائش اختیار کرتے ہوئے دینی و دنیاوی کام سرانجام دیتے ہیں۔آبادی سے دور رہنے والے کھسروں کی زندگی اور موت کے متعلق عام آدمی کو آگاہی نہ تھی۔اس لیے یہ روایت جڑ پکڑتی گئی کہ کھسرے کے جنازے کا کسی کو علم نہیں۔''[۳۷]

اسی سبب وہ افراد بھی کھسروں کے جنازے سے واقف نہیں جو ان کی زندگی کے تمام دیگر پہلوؤں کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں۔ خواجہ سراؤں کے مردے کی آخری رسومات سے متعلق محض اتنا معلوم پڑھ سکا ہے کہ چونکہ پیدائشی کھسرے دینی فرائض کو بخوبی نبھانے کے پابند ہوتے ہیں۔ اس لیے انہی سے مخنث افراد کے جنازے کے آخری رسومات کی ادائیگی کروائی جاتی ہے۔ شہباز نامی ایک خواجہ سرا جو کہ ملتان کا رہائشی ہے۔ اس فریضے کو انجام دیتا ہے اور اس کا اندازہ اس بات سے لگایا گیا ہے کہ اس کے ہاں سفید کپڑا، چندا گربتیاں، عطر، کافور اور دیگر تمام اشیاء جو آخری رسومات میں استعمال کی جاتی ہیں۔ ہر وقت موجود ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ مردے کو دفناتے وقت ان کی پیدائشی جنس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ان تمام حقائق سے آگاہی مخنث افراد کی زندگی کا جائزہ لینے سے ہوتی ہے۔

٦۔ سیاسی پہلو:

ملک کی ترقی کے لیے بے حد ضروری ہے کہ تمام طبقوں کو برابر کا حق دیا جائے کہ وہ بھی حق رائے استعمال کریں۔ حکومتی فیصلوں میں خواجہ سراؤں کا بھی حصہ ہونا چاہیے۔ انہیں یہ حق دیا جائے کہ وہ بھی کسی عہدے پر فائض ہو جائیں۔ خواجہ سرا آج کے دور میں تعلیم حاصل کر کے مختلف عہدوں پر اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ خواجہ سراؤں کو ۲۰۱۲ء میں تیسری جنس کے حوالے سے اپنی شناخت کروا کر شناختی کارڈ میں اندراج کا حق دیا گیا۔ خواجہ سراؤں کو سیاسی امور میں حصہ لینے کی اجازت کے لیے بہت سے نوٹس جاری کیے گئے ہیں۔ ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے کہ ان کے سیاسی حقوق کو بھی پورا کیا جائے۔ سیاسی حقوق سے مراد یہ ہے کہ ان کو پورا پورا حق ہے کہ وہ ووٹ دیں، الیکشن لڑ سکیں اور اسمبلیوں میں مخصوص نشستوں پر براجمان ہو سکیں۔ جب کہ ان کی نشستوں کو منظور نہیں کیا جاتا۔ انہیں ووٹ دینے کا تو حق دے دیا گیا ہے، مگر الیکشن لڑنے کا حق ابھی تک نہیں دیا گیا۔

۲۳ دسمبر کو صوبیہ خان نامی خواجہ سرا نے درخواست دائر کی جس میں وہ کہتی ہیں: ''اسمبلی میں خواجہ سراؤں کی نمائندگی ضروری ہے۔ اقلیتوں اور خواتین کے لیے مخصوص نشستیں ہیں۔ خواجہ سراؤں کی بھی اسمبلی میں نمائندگی کے لیے نشستیں مختص کی جائیں۔ درخواست میں استدعا کی گئی کہ صوبیہ خان کی نامزدگی بھی خواجہ سراؤں کی مخصوص نشست کے لیے تصور کی جائے۔''[۳۸]

ہمارے ملک میں خواجہ سرا طبقے کو مردم شماری میں شمار تو کیا جاتا ہے مگر ووٹ دیتے وقت اور انتخابات میں ایک امیدوار کے طور پر کاغذات کی نامزدگی کی اجازت نہیں دی جاتی۔ مگر اب خواجہ سراؤں نے آزاد امیدوار کے طور پر الیکشن میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔ خواجہ سرا کمیونٹی کا کہنا ہے کہ وہ ریاست کے رویے سے ناامید ہیں۔ ہمارے

مسائل کی ترجمانی ہماری برادری سے تعلق رکھنے والے افراد زیادہ بہتر انداز میں کر سکتے ہیں۔ مخنث افراد کا کہنا ہے کہ جیسے ہم مردوں یا عورتوں کے مسائل کے لیے ان کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہمیں بھی اسی طرح کے برابر حقوق ملنے چاہیے۔ سیاست میں شمولیت کی اجازت ہونی چاہیے۔

۷۔ اقتصادی پہلو:

ہمارے ملک میں خواجہ سرا کمیونٹی کو بہت سے منفی رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان رویوں کو تبدیل کرنے کے لیے وہ جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ خواجہ سراؤں کو روزگار کے مواقع فراہم نہیں کیے جاتے۔ انہیں ناچ گانے سے منع کیا جاتا ہے، نہ ہی یہ بھیک مانگ سکتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے بھیک مانگنے پر پابندی لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر کوئی خواجہ سرا اپنی محنت کے بل پر کسی اچھے عہدے پر فائض ہونا چاہتا ہے تو اسے اس بات کی اجازت نہیں۔ ایسا ہی کچھ فیاض اللہ نامی خواجہ سرا کے ساتھ بھی ہوا انہیں پی پی ایس سی کے امتحانات میں بیٹھنے کی اجازت نہ دی گئی۔ جس کے بعد انہیں مقدمہ لڑ کر اپنی بات منوانی پڑی۔ خواجہ سرا کمیونٹی کا کہنا ہے کہ اگر حکومت روزگار کے مواقع فراہم کریں تو ہم ناچ گانا چھوڑ دیں گے اور جسم فروشی جیسے گندے کاموں سے باز رہیں گے۔

سیف الرحمن رانا کی کتاب "درمیانے" سے لیا گیا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''زنانے کھسروں کا اس سلسلے میں یہ موقف ہے کہ جسم فروشی بنیادی طور پر جنسی استحصال کا شکار ہونے والے افراد کا معاشرے سے انتقام ہے۔ اگر انتقام لیتے ہوئے آمدن ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ علاوہ ازیں چند کھسروں نے اس امر کو کھل کر تسلیم کیا کہ جسم فروشی کا سبب معاشی مجبوری ہے۔''[۳۹]

خواجہ سراؤں کو ان کے والدین گرو کے پاس چھوڑ آتے ہیں۔ جس کے بعد یہ مخنث افراد وہیں زندگی کے دن گزارتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ گرو نے زندہ رہنے کی وجوہات تو فراہم کی، مگر تعلیم نہ دلوائی۔ جس کے سبب وہ ملازمت اختیار نہیں کر سکے۔ بعض خواجہ سراؤں کا کہنا ہے کہ ان کی شرح خواندگی کم ہونے کے باعث انہیں ملازمت نہیں مل پائی۔ مگر اس مسئلے کے حل کے لیے مختلف تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ یہ تنظیمیں انہیں بہت سے ہنر سکھاتی ہیں۔ تاکہ وہ کسی کے محتاج نہ ہوں۔ ایسا کہنا مناسب نہیں کہ خواجہ سرا معاشی خود کفالت کے لیے ہاتھ پاؤں نہیں مارتے۔ دراصل تمام خواجہ سرا نہیں بلکہ بہت سے ایسے بھی ہیں جو مختلف طریقوں سے روزی کمانے کی تگ و دو میں ہیں۔ ان کی ملازمت نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ لوگوں کا رویہ ہے۔

معاشرہ خواجہ سراؤں کے ساتھ ظالمانہ اور سخت رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔ ملازمت کے مواقع نہ ہونے کی وجہ معاشرے کا امتیازی سلوک ہے معاشرہ خواجہ سراؤں کو معزز پیشوں میں قبول نہیں کرتے ڈپریشن اور بے چینی کے سبب سکول چھوڑنے والے خواجہ سرا زندگی میں گزر بسر کے لیے امدنی سے قاصر ہوتے ہیں جس کے سبب ان کے لیے واحد ذریعہ امدن بھیک مانگنا ناچ گانا اور جنسی کام رہ جاتے ہیں۔ میں خواجہ سراؤں سے لیے گئے انٹرویو میں ایک کا کہنا تھا:

''میں نے آرٹس میں بیچلر کی ڈگری حاصل کی ہے اور مجھے نوکری نہیں ملی کیونکہ معاشرے میں ہر کوئی میرے ساتھ جنسی تعلق رکھنا چاہتا ہے لیکن کام کرنا پسند نہیں کرتا۔''[٤٠]

ان مشکلات کے باعث خواجہ سراؤں کو ملازمت کی تلاش میں بہت سی رکاوٹوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے بہت سے مخنث افراد سکولوں سے بھاگ جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں اور بے روزگاری کا شکار ہو جاتے ہیں مزید یہ کہ انہیں جنسی کارکن کے طور پر کام کرنا پڑتا ہے وہ گرو کے ساتھ رہتے ہیں انہیں اپنے خاندان والوں کے بارے میں کوئی جانکاری نہیں اور ان کی کامیابی کا سارا حصہ ان کے گرو کا ہوتا ہے۔

آج کے دور میں اس معاملے میں محدود پیمانے پر مثبت تبدیلی نظر آرہی ہے۔ لیکن اب بھی انہیں ملازمت اختیار کرنے اور مستقل ذریعہ معاش کی تلاش میں دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اسی سبب خواجہ سرا معاشی بدحالی و بحران کا شکار نظر اتے ہیں۔ خواجہ سرا کمیونٹی کا حکومت سے بس یہی مطالبہ ہے کہ مخنث افراد کی معاشی استحکام کے لیے مخصوص منصوبے تشکیل دیں۔ تاکہ خواجہ سراؤں کو بھی اپنی چھت نصیب ہو اور وہ پیش آنے والے مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔

۸۔ ثقافتی پہلو:

ثقافت انسانی معاشروں میں رہنے والے گروہوں کے افراد کے عقائد، علم، فنون، قوانین، صلاحیتوں، رسم و رواج اور عادات کے ساتھ ساتھ سماجی رویے اور اصولوں پر مشتمل ہے۔ ثقافت سے مراد کسی قوم یا طبقے کی تہذیب لی جاتی ہے۔ ثقافت میں زبان کا بھی ایک اہم کردار ہے۔ زبان سے انسان کی پہچان ہوتی ہے کہ وہ کس علاقے یا وطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اس طرح خواجہ سرا بھی اپنی ایک مخصوص زبان رکھتے ہیں۔ جسے لوگ خفیہ زبان قرار دیتے ہیں۔ اس زبان سے صرف کھسرے واقف ہیں۔ بہت سے رازوں میں سے ان کی زبان فارسی چاند بھی ایک راز ہے۔ جسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ فارسی لفظ کے باعث یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہیجڑوں کی زبان فارسی ہے مگر ایسا نہیں۔ کوئی اس زبان کے آغاز سے متعلق نہیں جانتا۔ بعض خواجہ سراؤں کا کہنا ہے کہ اس زبان کا آغاز مغلوں کے

دور سے ہوا۔اس زبان کو یونیورسٹی آف کولوراڈو کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر کراہال نے ایک زبان کی حیثیت سے سیکھا۔ان کا کہنا ہے کہ اس زبان کا استعمال مغلیہ دور میں کیا جاتا تھا۔فارسی چانڈیا ہیجڑا فارسی کے آغاز کے حوالے سے کوئی واضح معلومات دستیاب نہیں۔مگر ڈاکٹر ہال کا کہنا ہے کہ ۱۸۰۰ صدی عیسوی سے اس زبان کی ابتدا ہوئی۔یہ زبان مخنث افراد کو ایک سوسائٹی میں پرو دیتی ہے۔جس کے سبب ان کی ایک علاحدہ زبان اور ثقافت ہوتی ہے کھسرے اس زبان کا استعمال نجی محفلوں میں کرتے ہیں۔خواجہ سراؤں کی زبان سے متعلق سیف الرحمن رانا لکھتے ہیں:

> ''کھسروں کی اپنی بولی کا نام فارسی چندرنا ہے۔جس میں کوئی ہزار کے قریب مختلف الفاظ شامل ہیں۔بعض الفاظ کا مطلب زیر زبر کے فرق سے بدل جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ کھسرے یہ قرار دیتے ہیں کہ جب کبھی ہم کسی محفل میں آپس میں کوئی بات کرتے ہیں۔تو محفل میں موجود کوئی بھی ذی شعور انسان اس کا مطلب سمجھ سکتا ہے۔اس لیے ہم ایسے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے زیر زبر کے فرق سے ایسے الفاظ بولتے ہیں کہ دوسرا کوئی شخص ان کا مطلب نہ سمجھ سکے۔''[۴۱]

اس ثقافت کے رسم ورواج رہن سہن وغیرہ کو اہم مانا جاتا ہے۔زبان کی ثقافت میں اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا سب سے خاص اور اہم پہلو یہ ہے کہ زبان ہی کسی ثقافت کی شناخت کرواتی ہے اگر کسی بھی طبقے یا علاقے کی ثقافت یعنی وہاں کے عقائد رسوم ورواج وغیرہ کو سمجھنا ہے تو اس کے لیے اس کی زبان سے واقفیت بے حد ضروری ہے اسی سے ثقافتی ورثہ محفوظ رہ سکتا ہے ثقافت کی تاریخ روایات اور کہانیوں کو ایک زبان ہی اپنی انے والی نسلوں تک پہنچ جاتی ہے اس کے ذریعے محاصلات کا کام سہل بنایا جاسکتا ہے اپنے خیالات جذبات سماجی تعلقات قائم کرنے اور ایک دوسرے کی ثقافت کو سمجھنے میں اسانی پیدا ہوتی ہے زبان کے ذریعے ایک دوسرے کی ثقافت کو سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں رہتا وقت کے ساتھ ساتھ رونما ہونے والی تبدیلیوں کو سمجھا جاسکتا ہے جوں جوں ثقافت میں تبدیلی رونما ہوگی یقیناً زبان میں بھی ردوبدل کیا جائے گا یوں کہنا بے جانہ ہوگا کہ زبان کا ثقافت سے ایک گہرا تعلق ہے اور ثقافت میں تبدیلی سے زبان میں بھی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

ہمارا معاشرہ متنوع اور ثقافتی لحاظ سے بھرپور ہے یہاں خواجہ سرا افراد کے ساتھ متضاد اور روایتی سلوک روا رکھا جاتا ہے مغنث افراد کی تاریخ اور ثقافت سے اگاہی کے بعد ہم نے اندازہ لگایا کہ انہیں بعض مواقع پر معاشرتی قبولیت حاصل رہی مغنث افراد بھی ہماری ثقافت کا ایک اہم حصہ رہ چکے ہیں قدیم ہندوستان میں اس طبقے کو قابل احترام سمجھا جاتا تھا مگر اج کے دور میں ان کے ساتھ کیا جانے والا سلوک مخالفانہ اور غیر منصفانہ ہے ہمارے سماج میں

خواجہ سرا طبقے کو سماج ثقافت سیاست کے میدان اور معاشی حوالے سے ہمیشہ نظر انداز کیا گیا ہے ان کا رہن سہن اور زندگی گزارنے کے طور طریقے ہمیں ان کی پسماندگی کا ثبوت دیتے دکھائی دے رہے ہیں معاشرے میں موجود ہر شخص خواہ وہ کسی بھی جنس سے تعلق رکھتا ہو اس کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا ہمارا فرض ہے اسی طرح اس طبقے کی ثقافت اور زبان کا احترام بھی ہمارے لیے بے حد ضروری ہے۔

اس زبان سے متعلق ایک فرہنگ بھی تحریر کی جا چکی ہے۔ جس میں مخنث افراد کی زبان کے بے شمار الفاظ کو شامل کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی معنی بھی واضح کیے گئے ہیں۔ خواجہ سراؤں کی زبان کا لفظ چاسکی اردو زبان کے لفظ چائے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس زبان کو اب تک خواجہ سراؤں کے طبقے تک ہی محدود رکھا گیا ہے۔ المختصر خواجہ سراؤں کے سماجی مسائل اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرنے کا مقصد ان کے مسائل کی طرف توجہ دلانا ہے۔

حوالہ جات

۱۔اختر حسین بلوچ، تیسری جنس، کراچی، علم وادب، پبلشر اینڈ بک سیلر، ۲۰۲۰ء، ص ۳۵

۲۔شیلا رانی، (انٹرویو) مقالہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، یکم اگست ۲۰۲۴ء، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۳۔اختر حسین بلوچ، تیسری جنس، کراچی، علم وادب، پبلشر اینڈ بک سیلر، ۲۰۲۰ء، ص ۳۶

۴۔سیف الرحمن رانا، درمیانے: تحقیق وتدوین، لاہور، برائے: نگارشات پبلشرز، ۲۴-منرنگ روڈ، ۲۰۱۲ء، ص ۱۱۱ تا ۱۱۲

۵۔ایضاً، ص ۶۱

۶۔ایضاً، ص ۴۶

۷۔احمد بختیار اشرف، ڈاکٹر، اردو سٹیج ڈراما، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۱۴

۸۔عشرت رحمانی، اردو ڈراما (تاریخ وتنقید)، اردو مرکز، لاہور، ۱۹۵۷ء، ص ۲۳-۲۲

۹۔آغا ناصر، This is PTV، پی ٹی وی اسلام آباد، ص 5

۱۰۔احمد سہیل، جدید تھیٹر، ادارہ ثقافتِ پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء، ص ۶۷

۱۱۔قیصرہ حیات، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، الف اللہ اور انسان https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، یکم مارچ ۲۰۲۴ء، 8:00 PM

۱۲۔اسماء نبیل، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، خدا میرا بھی ہے، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، یکم مارچ ۲۰۲۴ء، 8:30 PM

۱۳۔ایضاً

۱۴۔عدیل رزاق، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، سر راہ، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، ۲ مارچ ۲۰۲۴ء، 7:30 PM

۱۵۔اسماء نبیل، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، خدا میرا بھی ہے، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، ۲ مارچ ۲۰۲۴ء، 8:00 PM

۱۶۔قیصرہ حیات، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، الف اللہ اور انسان، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، ۱ مارچ ۲۰۲۴ء،

9:00 PM

۱۷۔اسماء نبیل، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، خدا میرا بھی ہے،https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، ۲ مارچ ۲۰۲۴ء، 9:30 PM

۱۸۔ایضاً

۱۹۔ایضاً

۲۰۔عدیل رزاق، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، سرراہ، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، ۵مارچ ۲۰۲۴ء، 7:30 PM

۲۱۔اسماء نبیل، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، خدا میرا بھی ہے، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW, ۵ مارچ ۲۰۲۴ء، 8:30 PM

۲۲۔ Webster's new illustrated dictionary allans Frederick Killen Reinst, Books. Ink, Publishers New York. Washington, D.C, 1970, P 628

۲۳۔عبدالحمید، ملک، ڈاکٹر، ابتدائی معاشریات، سٹینڈرڈ، بک ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۶

۲۴۔سیف الرحمن رانا، درمیانے: تحقیق وتدوین، لاہور، برائے: نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۵۵

۲۵۔Hassan Vlogs, Exclusive interview of life, www.youtube.com, ۱۹اپریل ۲۰۲۴ء، 7:30 PM

۲۶۔آئمہ، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱اگست ۲۰۲۴ء، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۲۷۔آیانہ، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱اگست ۲۰۲۴ء، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۲۸۔https://www.bbc.com/urdu/pakistan-43527133، ماروی ملک، ۵ مئی ۲۰۲۴ء، 9:30 PM

۲۹۔http://www.independenturdu.com/node32576, 5-5-2024 , 10:00

۳۰۔ماریہ، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱اگست ۲۰۲۴ء، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۳۱۔شیلا رانی، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱اگست ۲۰۲۴ء، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۳۲۔یسری جبین، خواجہ سراؤں کے لیے قانون: سماجی دباؤ کے بجائے قدرت کے فیصلے کو تسلیم کریں،

https://www.bbc.com/urdu/pakistan-44049734، ۵جون ۲۰۲۴ء، 10:00 P.M

۳۳۔عائشہ مغل، پاکستان کی پہلی خواجہ سرا وفاقی افسر کیسے بنیں؟، https://www.independenturdu.com/node/32576 7، جون ۲۰۲۴، 11:00 P.M

۳۴۔سیف الرحمن رانا، درمیانے: تحقیق وتدوین، لاہور، برائے: نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۲۵۸

۳۵۔امبر، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱ اگست ۲۰۲۴ء، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۳۶۔وسعت اللہ خان، خواجہ سراؤں پر غصہ کیوں آتا ہے، https://www.bbc.com/urdu/pakistan-39172869، ۱۱ جولائی ۲۰۲۴ء، 6:00 P.M

۳۷۔سیف الرحمن رانا، درمیانے: تحقیق وتدوین، لاہور، برائے: نگارشات پبلشرز لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۱۱۲

۳۸۔صوبیہ خان، عام انتخابات: خواجہ سراؤں کیلئے نشست مختص کرنے کی درخواست پشاور ہائیکورٹ میں دائر، https://www.dawnnews.tv/news/1219364، ۱۵ جولائی ۲۰۲۴، 3:00 P.M

۳۹۔سیف الرحمن رانا، درمیانے: تحقیق وتدوین، لاہور، برائے: نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۶۱

۴۰۔ماریہ، (انٹرویو) از شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱ اگست ۲۰۲۴ء، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۴۱۔سیف الرحمن رانا، درمیانے: تحقیق وتدوین، لاہور، برائے: نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۲۱

باب دوم:

منتخب ٹی وی ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی پیشکش کا جائزہ

الف۔ "الف اللہ اور انسان" میں خواجہ سراؤں کی زندگی پیشکش کا جائزہ:

ہم ٹی وی مختصر تعارف:

ہم ٹی وی، کراچی پاکستان میں واقع ۲۴ گھنٹے چلنے والا جنرل انٹرٹینمنٹ ٹی وی چینل ہے۔ سلطانہ صدیقی اور درید قریشی نے اس چینل کی بنیاد رکھی۔ ہم ٹی وی نے ۱۷ جنوری ۲۰۰۵ء کو اپنی نشریات کا آغاز کیا۔ مارچ ۲۰۱۳ء میں ہم نیٹ ورک نے اپنی پہلی ہم ایوارڈز کی تقریب منعقد کی۔ ہم ٹی وی پاکستان کے سب سے بڑے تفریحی نیٹ ورکس میں سے ایک ہے اور باقاعدگی سے اعلیٰ درجے پر ہے. اور پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش اور اسٹریمنگ پلیٹ فارم کے ساتھ ساتھ ٹیلی ویژن پر، سوشل میڈیا پر ایک وفادار چاہنے والوں کی تعداد کو برقرار رکھتا ہے۔

ہم ٹی وی کا اب تک سب سے کامیاب ڈراما "ہمسفر" ہے۔ جو ۲۰۱۱ء تا ۲۰۱۲ء میں نشر ہوا۔ جس کی وجہ سے ہم ٹی وی کو حد درجہ پذیرائی ملی اور بین الاقوامی سطح پر بھی سراہا گیا۔ اس کی کامیابی کی وجہ سے ناقدین نے پاکستانی ٹیلی ویژن کو سنہری دور قرار دیا۔ ہم ٹی وی تفریح سے لے کر تمام انواع کو پورا کرتا ہے۔ اس وقت ہم ٹی وی پر زیادہ تر ڈراموں کا رخ نوعمر/نوجوان سامعین کی طرف ہے۔ کچھ دیگر سیریلز کا مقصد زیادہ پختہ شہری ناظرین کے لیے ہے۔

ہم ٹی وی پر نشر ہونے والا ڈراما "الف اللہ اور انسان" جو کہ ہمارے مقالے میں شامل ہے۔ ایک بہترین ڈراما جس کی مصنفہ قیصرہ حیات ہیں۔ جن کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ قیصر حیات ایک پاکستانی مصنفہ ہیں جو کہ ۱۷ اگست ۱۹۸۰ء کو سیالکوٹ پاکستان میں پیدا ہوئیں۔ قیصرہ حیات کو بے شمار بہترین ڈراموں کے باعث جانا جاتا ہے۔ جن میں "میں ہاری پیا" ۲۰۱۳ء، "احساس" ۲۰۱۶ء، "کہیں دیپ جلے" ۲۰۱۹ء، "دلربا" ۲۰۲۰ء شامل ہیں۔ قیصرہ حیات کے لکھے ہوئے ڈرامے اپنی مثال آپ ہیں۔ ان میں ہر طرح کے موضوعات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ منظر نگاری ہو یا حقیقت پر مبنی، عشق مجازی سے تعلق رکھتا ہو یا عشق حقیقی سے، جذبات نگاری سے بھرپور ڈرامے ہوں یا معاشرتی پہلو کو بیان کرتے ہوئے تمام کے تمام موضوعات کو بہترین انداز میں پیش کرتی ہیں۔ آپ نے لکھنے کا آغاز میٹرک کے بعد سے ہی کر دیا تھا۔ آپ کا پہلا افسانہ "وعدہ" کے نام سے جنگ میگزین میں شائع ہوا۔ ان کی وجہ شہرت ان کا ڈراما "الف اللہ اور انسان" ہے۔ خود قیصرہ حیات کو بھی اپنا یہ ڈراما بے حد پسند ہے۔

عدیلہ چوہدری کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں ان کا کہنا تھا کہ :

''ویسے تو ہر رائٹر کو اپنی ساری تحریریں پسند ہوتی ہیں لیکن "الف اللہ اور انسان" مجھے ذاتی طور پر بہت پسند ہے۔ کیونکہ اس میں بہت ورائٹی ہے۔ ہر طبقے کا انسان شامل ہے۔ کیونکہ اس کا موضوع ہی انسان ہے اور اللہ ہے۔ پھر روحانی طور پر اللہ اور انسان کا تعلق بہت یونیک (منفرد) انداز میں اللہ نے مجھ سے لکھوایا ہے۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔''[۱]

انہوں نے بہت خوبصورتی سے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنے ڈرامے "الف اللہ اور انسان" میں پیش کیا۔ "الف اللہ اور انسان" ایک پاکستانی صوفی روحانی ڈراما سیریز ہے۔ جو ۲۵ اپریل ۲۰۱۷ء سے ۱۳ فروری ۲۰۱۸ء تک ہم ٹی وی پر نشر ہوئی۔ اس ڈرامے کی پروڈیوسر مومنہ درید ہیں۔ یہ ڈراما قیصرہ حیات کے لکھے ہوئے ناول "الف اللہ اور انسان" پر بنایا گیا تھا۔ اس ڈرامے کو ۲۰۱۹ء میں سرکاری چینل پی ٹی وی ہوم پر بھی نشر کیا گیا تھا۔ اس ڈرامے کے اداکاروں میں عثمان پیرزادہ، میکال ذوالفقار، کبریٰ خان، اشنا شاہ، شہزاد شیخ، عمران اشرف اور ثنا فخر شامل ہیں۔ "الف اللہ اور انسان" پانچ بالکل مختلف پس منظر سے تعلق رکھنے والے پانچ مختلف لوگوں اور ان کے ایمان اور یقین کے گرد گھومتا ہے۔ اس نے اس تصور کو اجاگر کیا کہ خالق کس طرح محنت اور صبر پر یقین رکھنے والے لوگوں کو انعام دیتا ہے۔ اس سیریز کو اپنے پریمیئر پر سب سے زیادہ ریٹنگز اور مثبت جائزے ملے اور یہ اس وقت تک سب سے آگے رہی جب تک یہ آن ایئر تھی۔

"الف اللہ اور انسان" اعتماد، وفاداری اور رشتوں کی کہانی ہے۔ کہانی پانچ بالکل مختلف پس منظر سے تعلق رکھنے والے پانچ مختلف لوگوں اور ان کے ایمان اور یقین کے گرد گھومتی ہے۔ یہ ڈراما اس تصور کو اجاگر کرتا ہے کہ تخلیق کار ان لوگوں کو کس طرح اجر دیتا ہے۔ جو محنت اور صبر رکھتے ہیں۔

ڈرامے میں ایک نوجوان زمیندار شاہ زیب کی کہانی کو دکھایا گیا ہے۔ جس نے نازنین نامی لڑکی کو اپنے دوست کی شادی پر دیکھا اور اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ نازنین حشمت کی بگڑی ہوئی بیٹی تھی۔ اس نے اس شادی میں مدعو کیے گئے خواجہ سرا شامو اور اس کے ساتھیوں کی بے عزتی کی۔ جس کے جواب میں شامو اسے بددعا دیتا ہے۔ ساتھ ہی رانی کی زندگی بھی دکھائی جاتی ہے۔ رانی ایک بھکاری ہے۔ جو جمع کی گئی رقم اپنے والد کے پاس لانے پر مجبور ہوتی ہے۔ وہ انسانی مساوات پر یقین رکھتی ہے اور اس نے ایک بار شامو کو غنڈوں سے بچایا۔ جو اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ جس کی وجہ سے شمو (خواجہ سرا) کو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔

رانی ایک دن ایک خوبصورت مقام پر پہنچتی ہے۔ جہاں اسے پھول فروش شہر کی معروف خاتون نگار بیگم کا

بتاتا ہے۔ جو کہ ایک طوائف ہوتی ہے اور اپنے کوٹھے میں بے گھر لڑکیوں کو پناہ دیتی ہے۔ اسی اثنا میں فلیش بیک میں دکھایا جاتا ہے کہ ایک بار شاہ زیب کے دوست اسے زبردستی نگار بیگم کا مجرہ دکھانے لے جاتے ہیں۔ مگر وہ دلچسپی ظاہر نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے نگار بیگم کو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ وہ اس کی محبت کو ٹھکرا کر اس کی توہین کرتا ہے۔ جس کے بعد دل شکستہ نگار اسے بد دعا دیتی ہے کہ ایک دن اسے اسی طرح ٹھکرا دیا جائے گا۔

رانی کے والد، رشید سے اس کی شادی کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جو بدلے میں اسے مہر کی اضافی ادائیگی کرے گا۔ رانی نے شادی سے بچنے اور بھیک مانگنے سے تنگ آ کر نگار بیگم جیسا بننے کا خواب پورا کرنا چاہا۔ اسے لگا کہ نگار بیگم کی نوکرانی بن کر وہ اچھی زندگی گزار سکتی ہے۔ وہ شاموکی محبت کو مسترد کر کے اسے ہیجڑا ہونے کا طعنہ دیتی ہے۔ اس کے مسترد کرنے پر شمو دل شکستہ ہو کر رہ جاتا ہے اور ایک معقول روزی کمانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس طرح وہ ایک مقامی حجام کی دکان میں ملازمت کرنے لگتا ہے۔ نگار بیگم رانی کا نام بدل کر رینا بیگم رکھ لیتی ہے۔ شاہ زیب نازنین کے لیے اپنی شادی کی تجویز اس کے والد کے پاس لے جاتا ہے اور منگنی کر لیتا ہے۔ جبکہ وہ اس سے شادی کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی۔ وہ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کا ذکر کرتی ہے۔ جس کے بعد اس کو شاہ زیب کی رضامندی سے لاہور بھیج دیا جاتا ہے اور باسط کو سرپرست کے طور پر اس کے ساتھ بھیج دیا جاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ شاہ زیب اپنے آپ سے اور خدا سے سوال کرنا شروع کر دیتا ہے کہ نازنین اس سے پیار کیوں نہیں کرتی؟ ان سوالات کے سبب وہ مذہبی الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد وہ ایک مولوی کے پاس جانا شروع کر دیتا ہے۔ جسے وہ اپنا پیر سمجھتا ہے اس کا علم اور باتیں اس کی مدد کرتی ہیں۔

شاموایک مقبول ہیئر سٹائلسٹ بن جاتا ہے۔ جبکہ رانی کو یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ اس کی زندگی نے اس انداز میں کوئی تبدیلی نہیں کی، جس کا اس نے تصور کیا تھا۔ نازنین باسط سے محبت کرتی ہے۔ جو اپنے والدین کی عزت کو اپنی اولین ترجیح دیتا ہے۔

۱۔ خواجہ سراؤں کی زندگی کی پیشکش کا جائزہ:

ڈراما "الف اللہ اور انسان" میں خواجہ سراؤں کی زندگی سے متعلق بھی پیش کیا گیا ہے۔ قیصرہ حیات نے عمدہ انداز میں مخنث افراد کے مسائل اور مختلف پہلوؤں کو بیان کیا ہے۔ جس میں معاشرتی رویے، روزگار کے مواقع، جنسی بے راہ روی وغیرہ جیسے پہلو شامل ہیں۔ گرو کا کردار خواجہ سراؤں کی زندگی میں بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ عزیز و اقارب یا والدین کا قبول کرنے سے انکاری ہونا، جس کے بعد خواجہ سرا اپنے گرو کے پاس جا کر رہنے لگتے ہیں ان سب

باتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دراصل اس ڈرامے میں خواجہ سراؤں کے مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ تعلیم سے دوری ایک بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔ اس ڈرامے میں دکھائے گئے خواجہ سراؤں کو غیر تعلیم یافتہ ظاہر کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ملازمت اختیار کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ معاشرتی پہلوؤں کا ذکر کیا جائے تو تعلیم، رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات، سماج عوامی امور، انسانی حقوق کی فراہمی، معیشت، روزگار کے مواقع، معیشتی بحران اور زبان و ادب جیسے پہلو زیر بحث آتے ہیں۔ ان تمام نکات کو مد نظر رکھتے ہوئے ڈراما سیریل "الف اللہ اور انسان" میں دکھائے گئے مخنث افراد کی زندگی کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

۲۔ معاشرتی رویے:

انسانی زندگی پر معاشرتی رویوں کے اثرات بڑے گہرے ہوتے ہیں۔ انسان کی کامیابی اور ناکامی کے لیے یہ اچھے برے رویے بے حد مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ معاشرے کے برے رویے جس طرح ایک انسان کو ناکامی کی طرف دھکیلتے ہیں۔ اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ نامناسب برتاؤ خواجہ سراؤں پر بھی بے انتہا اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ طبقہ بھی معاشرتی رویوں کی ستم ظریفی کا شکار ہے۔ بعض اوقات ایسے افراد ان رویوں کا اس قدر اثر قبول کرتے ہیں کہ وہ مثبت راہ پر گامزن ہو جاتے ہیں اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ شکوے شکایت کرنے لگ جاتے ہیں۔ ڈراما سیریل "الف اللہ اور انسان" میں ایک موقع پر دکھایا گیا ہے کہ شمو نامی خواجہ سرا لوگوں کے رویے سے تنگ آکر ناچ گانا اور بھیک مانگنا چھوڑنے کا فیصلہ کرتا ہے اور روزی کی خاطر اپنے گرو کو چھوڑ کر شہر کی راہ لیتا ہے۔

ہم ٹی وی کے ڈرامے "الف اللہ اور انسان" سے لیا گیا ایک اقتباس پیش نظر ہے:

> "گاہک: یار جمال! کام وام پہ رکھ لے یار آخر ان لوگوں کا بھی ہم پہ حق ہے
> یار۔۔۔ جمال: ارے بھائی! ناچ گانے سے بہت کما لیتے ہیں یہ لوگ۔ ان کو کام کی کیا ضرورت ہے؟
> شمو: نہیں نہیں! ناچ گانا تو چھوڑ دیا میں نے۔ سوچ لیا ہے کہ بس محنت کر کے کمائی کماؤں گا۔
> گاہک: ابے جمالے! اسے نوکری پر رکھ لیں یار کوئی ہنر سکھا دے اس کو۔ تیرے بچوں کو دعائیں دے گا۔"[۲۰]

بدلتے ہوئے معاشرتی رویے تمام انسانوں کو متاثر کرتے ہیں۔ خواہ وہ مرد ہو عورت ہو یا پھر خواجہ سرا۔ اچھے اصولوں کو اپنا کر انسان اپنی زندگی میں بہتری لا کر معاشرے کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ آج کے دور میں معاشرہ چار

طبقوں میں بٹ چکا ہے۔ان میں ایک طبقہ خواجہ سراؤں کا بھی شامل ہو چکا ہے۔خواجہ سرا معاشرتی رویوں کی بناپر خود کو ایک مخصوص علاقے تک محدود کر دیتے ہیں۔اوپر پیش کی گئی مثال سے واضح ہوتا ہے کہ انہیں معاشرتی رویے بے حد متاثر کرتے ہیں۔انہی رویوں کی مدد سے خواجہ سرا کامیابی یا ناکامی کا سامنا کرتے ہیں۔یا تو وہ ان رویوں سے لڑنے کی سکت نہ ہونے کی وجہ سے ناکام ہو جاتے ہیں یا ڈرامے میں دکھائے گئے شمو کی طرح محنت اور لگن سے اپنا ایک خاص مقام پیدا کر لیتے ہیں اور شہرت کی بلندیوں تک پہنچ جاتے ہیں۔خواجہ سراؤں کے ساتھ رواں رکھے گئے رویے یہ ثابت کرتے ہیں کہ عام عوام انہیں کمتر سمجھتے ہوئے اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ معاشرے میں موجود لوگوں کی اس سوچ کو تبدیل کریں اور انہیں باور کروائیں کہ مخنث افراد بھی ہماری طرح اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں۔ان کے بھی حقوق مختص کیے گئے ہیں۔ جن کو ادا کرنا معاشرے میں موجود ہر شہری کا فرض ہے۔

۳۔ گرو کا کردار:

گرو وہی اچھا تصور کیا جاتا ہے جو کہ اپنے چیلوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کریں اور وہی چیلا گرو پسند کرتا ہے جو کہ گرو کے سامنے سر تسلیم خم کیے رکھتا ہے۔خواجہ سرا گرو کو ہی اپنا سب کچھ تصور کرتے ہیں۔ گرو اپنے چیلوں کو وہ سب کچھ سکھاتا ہے، جس کے ذریعے وہ بآسانی زندگی گزار سکے یعنی انہیں لوگوں کے رویے برداشت کرنے کی تربیت، پیسے اکٹھے کرنے، زمانے کی اونچ نیچ اور ایک خاص رکھ رکھاؤ کی تربیت دیتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ لوگوں کو متاثر کرتے ہوئے پیسے کماتا ہے۔یہی کمائی چیلا اپنے گرو کو دیتا ہے۔ جس سے گھر کے اخراجات کو پورا کیا جاتا ہے۔

والدین سماجی نہ ہمواریوں کے خوف سے معاشرتی سوچ کو دیکھتے ہوئے اپنے مخنث بچوں کو گرو کے سپرد کر دیتے ہیں، جہاں گرو ہی خواجہ سراؤں کا سب کچھ ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسے بچوں کو ان کے والدین پاس رکھنا چاہتے ہیں مگر حالات اس قدر نامناسب بنا دیے جاتے ہیں کہ مجبوراً انہیں اپنے بچوں کو قبول کرنے سے انکاری ہونا پڑتا ہے۔ خواجہ سراؤں پر گھر کے دروازے ان کے والدین کی طرف سے بند کر دیے جاتے ہیں۔ والدین بھی مخنث بچوں سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔یہی وجہ ان کو گرو کے قریب کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے اور اسی کو اپنا باپ اور ماں تصور کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ان سب حالات سے تنگ آ کر آخر کار خواجہ سرا ناچ گانے اور بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

خواجہ سراؤں کا گرو ایک ماں کی طرح ان کی تربیت کرتا ہے۔ان کے دکھ پر تڑپ اٹھتا ہے۔ڈراما "الف اللہ اور انسان" میں خواجہ سرا اور اس کے گرو کے مابین گفتگو قابل غور ہے۔ جب گرو خواجہ سرا شمو کو یہ سمجھاتا ہے کہ

ہمیں کوئی نہیں اپناتا ہم ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور ہم ہی ایک دوسرے کے حقوق و فرائض ادا کر سکتے ہیں۔

والدین کے دھتکارنے کے بعد گرو ہی ان کے لیے سب کچھ ہوتا ہے۔ اس معاملے میں اقتباس کچھ یوں پیش کیا گیا ہے:

''گرو: شکر ہے تو آ گیا۔ تجھے پتہ ہے نا تیرے بغیر تیری ماں کو نیند نہیں آتی۔

شمو: کیوں؟

گرو: میں تیری ماں ہوں۔

شمو: ماں! ہم لوگوں میں رشتے کہاں ہوتے ہیں۔ باجی۔

گرو: ہمارے اپنے ہمیں نہیں اپناتے، ہم ایک دوسرے کو تو اپناتے ہیں نا۔

شمو: لیکن ہم تو کھوکھلے ہیں نا باجی۔۔۔۔!''(۳)

اس اقتباس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خواجہ سرا کی زندگی میں گرو ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خواجہ سرا کے والدین ہی ان کی زندگی میں زہر گھولنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ دیکھا جائے تو قصور یہاں والدین کا بھی نہیں ان معاشرتی عوامل کا ہے جس کی بنا پر والدین اپنے خواجہ سرا بچوں کو اپنے آپ سے دور کر دیتے ہیں۔ معاشرے کے خوف سے اپنے مخنث بچوں کو بچپن ہی میں گرو کے حوالے کر دیتے ہیں اور تب سے جوانی تک بلکہ موت تک گرو ہی ان خواجہ سراؤں کی پرورش کرتا ہے۔ ان کو ہر طرح کے معاملات سے نمٹنا سکھاتا ہے اور اس قابل بناتا ہے کہ وہ گھریلو اخراجات یا اپنی ضرورت پوری کر سکے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ چیلے کمائی ہوئی تمام رقم اپنے گرو کہ سپرد کر دیتے ہیں۔

٤۔ محبت سے محروم:

محبت سے محروم لوگ یہ کہنا غلط نہیں۔ دراصل معاشرہ مخنث افراد کو قبول کرنا گوارا نہیں کرتا، تو ان سے محبت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں اگر کسی خواجہ سرا کو دوست بنا لیا جائے تو معاشرے میں بسنے والے افراد اس نظر اور رویے کا اظہار کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ سرا معاشرے سے ہٹ کر رہنا پسند کرتے ہیں۔ اپنی ایک الگ دنیا بسا لیتے ہیں۔ مخنث افراد سے ان کے اپنے والدین، عزیز و اقارب، بہن بھائی غرض خاندان کے تمام افراد محبت تو دور، سیدھے منہ بات کرنا پسند نہیں کرتے تو سماج میں رہنے والے لوگ کیوں کر ان کو پسند کریں گے۔ اگر کوئی خواجہ سرا کسی سے محبت کا اظہار کر بھی دے تو اس کو دھتکار ہی نصیب ہوتی ہے۔ اسے حقیر سمجھ کر تضحیک کا

نشانہ بنایا جاتا ہے۔

یہاں ڈراما سیریل "الف اللہ اور انسان" سے لیا گیا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ خواجہ سراوں کو ہر موقعے پر دھتکار ہی ملتی ہے۔

''شامو: اچھا سن نا۔۔۔ یہ لے لے نا۔ اس پوری دنیا میں صرف تو ہی تو اچھی لگی ہے مجھے۔

رانی: آئے ہائے! توبہ توبہ پلیت آدمی تجھے شرم نہیں آتی۔ ساری دنیا میں تو ہی رہ گیا ہے مجھ سے محبت کرنے والا۔ جُتّی لا کے تجھے ماروں میں۔ اے پلیت کہیں کا۔ ہٹ۔۔۔''(٤)

دیکھا جائے تو مصنف بتانا چاہ رہے ہیں کہ خواجہ سرا بھی ہماری طرح انسان ہی ہیں وہ بھی جذبات رکھتے ہیں، انہیں بھی محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں اگر کوئی کسی خواجہ سرا سے محبت ظاہر کرے تو اس کو معاشرہ جینے نہیں دیتا۔ ہم ایک ایسے سماج کا حصہ ہیں جہاں مخنث افراد کے حقوق کے تحفظ کے لیے بنائے گئے بل کو عوام برداشت نہیں کر پاتی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خواجہ سرا سے محبت کی اجازت ہو۔ محبت؟ محبت تو دور کی بات کسی عام انسان کی کسی خواجہ سرا سے دوستی تک کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ خواجہ سراؤں کو اچھوت سمجھا جاتا ہے۔ ان کی محبت کو کبھی قبول نہیں کیا گیا۔ وہ سماجی طور پر ہر قسم کی محبت چاہے وہ والدین کی ہو، دوستوں کی ہو، بہن بھائیوں کی یا عزیز رشتہ داروں کی سے محروم ہی رہتے ہیں۔

اسی سلسلے میں ایک اور اقتباس جو کہ ڈراما "الف اللہ اور انسان" سے لیا گیا ہے۔ پیش خدمت ہے:

''شامو: دیکھ آج تو منہ مت موڑ مجھ سے۔ آخری دفعہ ملنے کے لیے آیا ہوں تجھ سے۔

رانی: کیوں تو کہاں جا رہا ہے؟

شامو: شہر، محنت کرنے کے لیے، تیری خاطر۔

رانی: میری خاطر کیوں بھلا؟

شامو: تجھے اتنی دفعہ تو بتایا ہے میں نے۔ بڑی محبت کرتا ہوں تجھ سے۔

رانی: دیکھ یہ محبت وحبت کا نام میرے سے نا لے۔ میں اتنی زور سے تجھے کشکول ماروں گی نا۔۔۔

شامو: ایک دن مانے گی تو میری محبت کو دیکھنا۔''(٥)

یہ ایک حساس اور نازک موضوع ہے۔ اس میں بیان کیا گیا کہ خواجہ سراؤں کی راتیں اکثر تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں۔ دراصل خواجہ سرا معاشرتی بدنامی اور مسترد کیے جانے کی وجہ سے احساس کمتری میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں۔ وہ قبولیت اور پیار کی تڑپ جیسے جذبات سے عاری ہو جاتے ہیں۔ افہام و تفہیم کی تڑپ اور محبت کو ترستے ہوئے، کہیں نا کہیں ان میں امید کی کرن موجود ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی لچک ہے جو بجھنا نہیں چاہتی، ہمیشہ ایک تعلق اور محبت کی تلاش میں رہتی ہے۔ ان تمام مسائل کو ماننا بے حد ضروری ہے جو کہ مخنث افراد کو درپیش ہوتے ہیں تاکہ ان کے حل کے لیے کوشش کی جاسکے، خاص طور پر محبت اور قبولیت کے سلسلے میں تو اور بھی اہم ہے کہ ان کی معاونت کی جائے۔ جنس کی کوئی حد نہیں ہوتی یعنی آپ ایک خواجہ سرا سے دوستی کرنے سے کبھی نا کترائیں۔ ہر انسان محبت کا مستحق ہے وہ محبت جو آپ کی قدر کرے اور آپ کو قبول کرے۔ ہمیں ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ محبت کا ہر شخص خواہ وہ مرد ہو، عورت یا پھر کوئی تیسری جنس ہو، مستحق ہے۔

۵۔ دوران ملازمت رویے:

پاکستان میں تیسری جنس کے گروہ عام طور پر ناچنے، فحاشی، اور سڑک پر چہل قدمی سے متعلق کام کرتے ہیں۔ مخنث افراد کو ناچنے گانے، رقص وغیرہ کے علاوہ آمدنی کے کوئی مواقع فراہم نہیں کیے جاتے۔ وہ عام معاشروں سے باہر رہنے اور اپنی کالونی بنانے کے پابند ہیں۔ یہ سب پرانی باتیں ہیں جہاں تک ملازمت کی بات ہے تو اب بہت سے خواجہ سرا ایسے ہیں جو اپنے حقوق کے لیے سرگرم عمل ہیں اور بعض تو اعلا سطح پر ملازمت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ چند ان میں ڈاکٹر ہیں، تو کچھ سرکاری سطح پر ملازمت کرتے دکھائی دیتے ہیں، ملازمت کے دوران ان سے کس قسم کا سلوک رواں رکھا جاتا ہے، اس حوالے سے ڈراما سیریل "الف اللہ اور انسان" میں مثبت رویہ پیش کیا گیا ہے۔ لوگوں کے ساتھ ساتھ کام کی جگہ پر استاد کا رویہ بھی قدر تسلی بخش ہے۔

استاد کے رویے سے متعلق حوالہ پیش کیا جاتا ہے:

''استاد: اب کچھ لگ رہا ہے لڑکا لڑکا سا۔ ایک بات بتا تو رہتا کہاں ہے ہیجڑوں کے ساتھ؟

شامو: انہیں چھوڑ دیا ہے میں نے۔

استاد: چھوڑ دیا ہے کیوں؟

شامو: بس مجھے نہیں کرنا ناچ گانا۔ محنت کر کے نوکری اور روزی کمانی ہے۔

استاد: بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ ایک کام کر یار پیچھے ایک کمرہ ہے وہ دو لڑکے رہتے ہیں تو بھی

وہاں رہنا شروع کر دے۔ کرایہ تیری تنخواہ سے کاٹ دوں گا میں۔"(۶)

زیر بحث اقتباس سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ملازمت کے دوران ان کی رہائش کے مسائل پر بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ ڈرامے میں اس پہلو کو مثبت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کے ساتھ محبت بھرا رویہ سامنے لایا گیا ہے۔ جس سے خواجہ سراؤں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ انہیں اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں آسانی پیش آتی ہے۔ اس طرح وہ اپنی منزل مقصود تک بآسانی پہنچ پاتے ہیں۔ یہی نہیں ڈراما "الف اللہ اور انسان" میں خواجہ سراؤں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بھی دکھایا گیا ہے۔ یہ ڈراما ہمیں ایک مثبت تاثر دیتا ہے کہ اگر ہمارا معاشرہ ایسے افراد کو اپنا لے تو وہ بھی ملکی ترقی میں اپنا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

اسی سلسلے میں ڈراما "الف اللہ اور انسان" سے لیا گیا اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

"شامو: دیکھیں۔ اب ٹھیک ہے۔

گاہک: ارے واہ! تم نے تو اتنی اچھی کٹنگ کی ہے کہ بڑے بڑے حجام بھی نہیں کرتے۔ کتنے پیسے ہوئے۔

شامو: ۵۰ روپے۔

گاہک: یہ تمہارے ۵۰ اور یہ تمہارا انعام۔

شامو: میں بس اپنی محنت کے پیسے لیتا ہوں۔

گاہک: رکھ لو تمہارا انعام ہے یار۔ انعام تو خوشی سے دیتے ہیں۔

استاد: ارے رکھ لے شامو کسی کا دل نہیں دکھایا کرتے۔

شامو: شکریہ"(۷)

مصنفہ قیصرہ حیات نے ڈرامے "الف اللہ اور انسان" کے ذریعے اس تاثر کو بدلنے کا پیغام دیا ہے، جو کہ ہمارے معاشرے میں رواج کر چکا ہے۔ یعنی معاشرے کے فرسودہ خیالات کو بدلنا چاہیے۔ جانے کیوں معاشرہ مخنث افراد کو قبول کرنے سے انکاری ہے۔ ایسا کرنے سے خواجہ سرا مختلف قسم کی الجھنوں اور مشکلات کا شکار رہتے ہیں۔ انہیں زندگی میں آگے بڑھنے کے مواقع میسر نہیں ہوتے۔ جبکہ وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں اور انہیں بھی ایک کامیاب شہری بننے کا حق ہے۔ قیصر حیات اپنے ڈرامے میں ملازمت کے دوران خواجہ سراؤں کے ساتھ پیش آنے والے رویے کی بھرپور ترجمانی کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ یہاں ہمیں بہت سے مثبت رویے دیکھنے کو ملتے ہیں جیسے کہ استاد

کا خواجہ سرا شامو کے ساتھ رویہ دکھایا گیا ہے۔ دکان پر آنے والے گاہک بھی اس کے ساتھ شفقت بھرا رویہ رواں رکھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ڈرامے میں استاد خواجہ سرا شامو کے لیے پریشان ہوتے ہوئے بھی دکھایا گیا ہے۔ جب وہ اپنی دکان ختم کرنا چاہ رہا ہوتا ہے اور شامو پریشانی کی حالت میں اس سے پوچھتا ہے کہ اب وہ کیا کرے تو استاد اس کے لیے شہر میں اپنے ایک دوست کے ہاں ملازمت کا بندوبست کرتا ہے۔ اس گفتگو سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب ایک انسان اپنا رویہ تبدیل کر سکتا ہے۔ تو ہمارا معاشرہ، ہمارا سماج ایسا کیوں نہیں کر سکتا؟ خواجہ سرا شاموں کی ذرا سی حوصلہ افزائی کرنے پر اس میں اعتماد پیدا ہوتا ہے اور اس طرح وہ اپنی منزل حاصل کرنے میں کامیاب دکھائی دیتا ہے۔ یہی پیغام مصنفہ بھی اپنے ڈرامے میں دیتے ہوئے دکھائی دیتی ہیں۔ شامو اپنی اس کامیابی کا پورا کا پورا سہرا اپنے استاد جمال کے سر باندھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس نے اس کی اس قابلیت کو تراش تراش کر مزید نکھار دیا ہے اور وہ ان تکلیف بھرے ماحول سے نکل کر ایک کامیاب میک اپ ارٹسٹ بن پاتا ہے۔

مختصراً یہ کہ ڈراما سیریل "الف اللہ اور انسان" میں خواجہ سراؤں کے ساتھ معاشرے کا رویہ، محبت سے محرومی، گرو کا کردار اور دوران ملازمت ان کے ہمراہ کام کرنے والے لوگوں کے رویے وغیرہ کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ ڈرامے میں مثبت اور منفی دونوں پہلو پیش کیے گئے ہیں۔ خواجہ سراؤں کی زبان سے متعلق ڈرامے میں دکھائے گئے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قدرے مختلف مگر اردو زبان ہی کے الفاظ ہیں۔ جبکہ خواجہ سراؤں کی اپنی ایک مخصوص زبان ہوتی ہے۔ جس کا استعمال وہ مختلف محفلوں میں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ زبان کے علاوہ ان کے ظاہری خدوخال سے متعلق بات کی جائے تو خواجہ سراؤں کی مختلف ظاہری شکل وصورت اور جسامت ہوتی ہے۔ بعض خواجہ سرا میں مردانہ اور زنانہ دونوں علامتیں پائی جاتی ہیں، جبکہ ظاہری طور پر وہ عورتوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ڈراما "الف اللہ اور انسان" میں بھی اسی قسم کے خدوخال کے حامل خواجہ سراؤں کو دکھایا گیا ہے۔ منتخب کیے گئے ڈرامے میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی مشکلات اور چند مثبت پہلو بھی دکھائی دیتے ہیں۔ خواجہ سرا جن کی شناخت ہمارے معاشرے کا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس پر بات کرنا ایک باہمت کام ہے۔ یہاں اس بات کو زیر غور لانا بے حد اہم ہے کہ ہمارے معاشرے میں خواجہ سراؤں کو آزادی سے رہنے میں بہت سی مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ سماج کے اس رویے کو ہم سب نے مل کر تبدیل کرنا ہے۔ معاشرے کے صرف ایک فرد کی سوچ سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ ہم سب کو مل کر ثابت کرنا ہوگا کہ ہم ایک باشعور قوم ہیں۔ جو ان تمام فرسودہ اور دقیانوسی خیالات کو نہیں مانتی۔ تاکہ ڈرامے "الف اللہ اور انسان" میں دکھائے گئے شامو نامی خواجہ سرا کی طرح باقی تمام مخنث افراد بھی احساس کمتری کے چنگل سے باہر نکل کر اپنی منزل کو تلاش کر سکیں اور ایک باشعور شہری بن کر دکھائیں۔ ایسا تب ہی ہو سکتا ہے جب

معاشرہ ان کے حقوق ادا کرنے پر رضامند ہو گا۔

ب۔ "خدا میرا بھی ہے" اور "سر راہ" میں خواجہ سراؤں کے سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ۔

۱۔اے آر وائی ڈیجیٹل مختصر تاریخ:

پاکستان کے تفریحی پلیٹ فارم اے آر وائی ڈیجیٹل کی بنیاد عبدالرزاق یعقوب نے رکھی۔ دیگر چینلز کی طرح اس چینل کے قیام کا مقصد بھی عوام کو تفریح فراہم کرنا ہے۔ عبدالرزاق یعقوب نے جب اس چینل کا آغاز کیا تو اس وقت وہ اس کے ذریعے برطانیہ میں آباد پاکستانیوں کو اپنی ثقافت سے آگاہی فراہم کرنا چاہتے تھے، ساتھ ہی ساتھ تفریح فراہم کرنا بھی مقصد تھا۔ پہلے پہل چند اہم خبروں کی ترسیل کے لیے محض ایک گھنٹے کا وقت مقرر کیا گیا۔ اولین مقاصد میں سیاسی ٹاک شوز اور تفریحی ڈرامے فراہم کرنا شامل تھا لیکن اس چینل کی شہرت اور اس کو سراہنے کی وجہ اس کی خبروں کی ترسیل ہے۔ برطانیہ کے بعد اس چینل نے جلد ہی پاکستان میں اپنی نشریات کا آغاز کرنے کے لیے لائسنس حاصل کر لیا۔ ۲۰۰۲ء میں اپنا پہلا براہ راست شو متعارف کرانے میں اے آر وائی ڈیجیٹل کامیاب ہوا۔ جس میں ایک کلو سونے کا انعام رکھا گیا ۲۰۰۴ء میں اس چینل نے خبروں کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنا سسٹر چینل اے آر وائی نیوز کا آغاز کیا۔ ۲۰۰۷ء میں اس چینل نے مقبولیت حاصل کرتے ہوئے مشرقی وسطیٰ اور شمالی امریکہ تک رسائی حاصل کر لی۔ اسی طرح اے آر وائی وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کی منازل طے کرتا رہا ہے اور اپنے دیگر چینلز کا قیام یقینی بناتا رہا ہے۔ ان میں اے آر وائی نیوز اردو اور اے آر وائی زندگی سر فہرست ہیں۔ اے آر وائی ڈیجیٹل کی بیسویں سالگرہ ۲۰۱۷ء میں منائی گئی پاکستان کی دو دہائیوں پر مشتمل خبروں اور تفریحی ڈراموں کی قیادت میں آج اس چینل کو بے انتہا شہرت حاصل ہے اور متعدد سامعین کو متاثر کرنے میں اولین مقام رکھتا ہے۔

اسماء نبیل، پاکستانی پروڈیوسر، شاعرہ، منظر نویس اور ڈراما نگار ۱۹۷۰ء کی دہائی میں پیدا ہوئی۔ پاکستان ٹیلی ویژن کے بہترین ڈراموں میں سے "خانی" اور "خدا میرا بھی ہے" جیسے ڈراموں کے لیے سکرپٹ لکھے۔ آپ نے اپنی تعلیم کراچی میں موجود ادارے جامع کراچی سے ماس کمیونیکیشن میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے نہ صرف ڈرامے تحریر کیے بلکہ دیگر کام بھی یعنی آپ اشتہاری مشیر کے طور پر کمپنیوں میں کام کر چکی ہیں۔ چار سال تک جے ڈبلیو ٹی میں تخلیقی ہدایت کار رہیں۔ سکرین رائٹنگ کی دنیا میں قدم رکھنے کی وجہ چھاتی کا کینسر تھا۔ جس کے بعد علاج کے سبب وہ خود کو زیادہ سے زیادہ وقت دینا چاہتی تھیں۔ انہوں نے ثنا شاہنواز کی مدد سے پہلا سکرین پلے "خدا میرا بھی ہے" جو ۱۲۶ اقساط پر مشتمل تھا، لکھا۔ اس ڈرامے کا مقصد معاشرے میں موجود بچوں کو یکساں اور ان کے

ساتھ رواداری کا سلوک کرنے کے معاملے کو اجاگر کرنا تھا۔ چونکہ یہ ڈراما ہمارے مقالے کے موضوع کا حصہ ہے۔ اس لیے اس کی مزید تفصیلی وضاحت بھی زیر بحث لائی جائے گی۔ اسماء نبیل کے ڈراموں میں معاشرتی امور کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ بچوں کے اغوا کے سلسلے میں ۲۰۱۹ء میں اسماء نے ڈراما "دمسہ" تحریر کیا۔ خواتین پر کیے جانے والے تیزاب کے حملوں سے متعلق ڈراما "سرخ چاندنی" تحریر کیا۔ جو اس موضوع کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ "باندی" نامی ڈرامے میں نوکرانیوں پر کیے جانے والے غیر مہذبانہ سلوک کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ڈراموں کے ساتھ ساتھ آپ نے شاعری کی دنیا میں بھی قدم رکھا۔ ہندی فلم کے لیے گیت لکھا اور ہیو ظفر کی انگریزی شاعری کا اردو ترجمہ کیا۔ آپ سماجی امور کے سلسلے میں بھی بے شمار کام کر چکی ہیں۔ ۲۰۱۵ء اور ۲۰۱۹ء میں آپ کی بہترین کارکردگی کے سبب آپ کو مختلف اعزازات سے نوازا گیا۔ آپ یکم جولائی ۲۰۲۱ء کو چھاتی کے کینسر کے باعث خالق حقیقی سے جاملی۔

اسماء نبیل کا تحریر کردہ ڈراما "خدا میرا بھی ہے" خواجہ سراؤں کی زندگی کا بہترین عکاس ہے۔ ۲۲ اکتوبر ۲۰۱۶ء سے ۱۰ اپریل ۲۰۱۷ء تک اے آر وائی ڈیجیٹل پر نشر ہونے والے پاکستانی ڈرامے کے خاص کرداروں میں عائشہ خان۔ سید جبران، فرقان قریشی، صبا حامد، علی خان، محمود اسلم، ہرا ترین اور ساتھ ساتھ دیگر اداکار بھی شامل ہیں۔ کہانی کا مرکزی کردار ماہ گل جس کے ہاں ایک نور نامی انٹر جنس یعنی زنخا بچے کی پیدائش ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ماہ گل کو اپنے خاندان سے علیحدگی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ معاشرے میں رہنا اور اپنے مخنث بچے کو پالنا بے حد کٹھن ہو جاتا ہے۔ ماہ گل کی ماں کے علاوہ باقی تمام لوگ معاشرے کے خوف سے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ نور جو کہ زنخا بچہ ہے، اس کے والدزین اسے قبول کرنے سے انکاری ہوتے ہیں۔ ماہ گل چونکہ ایک باضمیر اور مضبوط عورت ہوتی ہے اس لیے وہ فیصلہ کرتی ہے کہ وہ اپنے بچے کو اپنائے گی اور تنہا اس کی پرورش کرے گی۔ وہ معاشرتی رویوں، سماج کے تانوں کی پرواہ کیے بغیر اپنے مخنث بچے کو مراعات یافتہ پرورش اور تعلیم فراہم کرتی ہے۔ نور کو سکول میں داخلہ نہ ملنے پر ماہ گل اسے میکائیل نامی استاد جو کہ مجبور اور بے بس لوگوں کی مدد کرتا ہے یعنی فلاح و بہبود کے کام میں دلچسپی رکھتے ہیں، کے پاس پڑھنے کے لیے بھیجنا شروع کر دیتی ہے۔ میکائیل، نور کی خاطر ایک چھوٹا سا سکول بناتا ہے یعنی اپنے ادارے میں ہی علیحدہ کمرہ بچوں کی تعلیم کے لیے مختص کرتا ہے۔ نور کو میکائیل سے باپ جیسی شفقت ملتی ہے، جس کی وجہ سے وہ اسے ایک باپ کا درجہ دیتا ہے اور اس کی ہر بات مانتا ہے۔ ماہ گل نے معاشرے کے مشکل سوالات کا سامنا کرنے سے بچنے کی خاطر نور کو انٹر سیکس گرو کے سپرد نہ کیا بلکہ اس کو بہترین تعلیم دی اور ایک کامیاب شخصیت بنایا اور یہ ثابت کیا کہ نور جیسے بچوں کو بھی آزادی سے اس معاشرے میں جینے کا حق ہے۔

۲۔خواجہ سراؤں کی سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ:

ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں خواجہ سراؤں کو معاشرے میں موجود جن دقیانوسی تصورات، صنفی امتیاز اور پسماندگی کا سامنا ہے۔اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔زیر بحث ڈرامے میں نور نامی کردار کے ذریعے خواجہ سراؤں کی زندگی کے مختلف پہلو اور ان کو درپیش مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔اہم نکتہ اس ڈرامے کا یہ سامنے آتا ہے کہ اس میں پیدائش سے لے کر جوانی تک کی زندگی کے تمام پہلو شامل ہیں۔مثلاً والدین اور خاندان کے افراد کا نومولود زنخا بچے کو قبول کرنے سے انکار کرنا، بچے کو گرو کے حوالے کرنے کی کوشش کرنا، صنفی شناخت کے مسائل، امتیازی سلوک اور بدنامی کا سامنا، اضطراب، شناختی الجھن، شادی اور رشتے کی پہچان وغیرہ جیسے پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔

اسماء نبیل نے اس ڈرامے کے ذریعے تمام طبقوں خصوصاً زنخا بچوں کے ساتھ مساوی سلوک کی ترغیب دی ہے۔اکثر اس طرح کے رویوں سے تنگ آکر مخنث بچے گھروں سے دوری اختیار کر لیتے ہیں۔مگر اس ڈرامے میں دکھایا گیا ہے کہ نور نامی خواجہ سرا بچے کی والدہ بے حد مضبوط، پروقار خاتون ہیں۔جو ہر لمحے اپنے زنخا بچے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔دراصل مصنفہ یہ ظاہر کرنا چاہتی ہیں کہ ایسے بچوں کو خصوصی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔اگر انہیں بھرپور توجہ اور ان کی ہر معاملے میں حوصلہ افزائی کی جائے تو ایک دن وہ بھی اپنا ایک خاص نام بنا سکتے ہیں۔ہمارے معاشرے میں بسنے والے لوگوں کو اپنی سوچ بدلنے کی ضرورت ہے۔ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں پیش کیے گئے خواجہ سراؤں کی زندگی کے مختلف پہلو درجے ذیل ہیں۔

۳۔خاندانی ردعمل:

مختلف پیچیدگیوں اور دیگر ذاتی وجوہات کی بنا پر مخنث بچوں کے والدین انہیں قبول کرنے سے انکاری ہوتے ہیں۔خواجہ سرا بچوں کو معاشرہ اہمیت نہیں دیتا اور ان کے ساتھ غیر معقول سلوک روا رکھا جاتا ہے۔اس ڈرامے میں بھی اسی قسم کے حالات کو دکھایا گیا ہے۔ڈرامے میں زین اور ماہ گل کے ہاں ایک مخنث بچے کی پیدائش ہوتی ہے۔اس بچے کی پیدائش سے گھر کے تقریباً تمام افراد پریشانی کا شکار ہوتے ہیں۔ماں بچے کو اپنے آپ سے دور نہیں کرنا چاہتی۔جبکہ زنخا بچے کی دادی اسے قبول کرنے سے انکاری ہوتی ہے اور اپنے بیٹے زین سے کہتی ہے کہ اس بچے کو وہیں بھیج دو جہاں اس کا رہنا مناسب ہے یا اس جیسے اور بچے پلتے ہیں۔زین معاشرے کے طعنوں سے بچنے کے لیے راضی ہو جاتا ہے مگر اس کی ماں اپنے مخنث بچے کو خود سے دور نہیں ہونے دینا چاہتی۔

زنخا بچے کے والد اور اس کی دادی کے مابین ہونے والی گفتگو غور طلب ہے:

''زین: لیکن اب کیا کروں؟ عجیب دوہرائے پر کھڑا ہو گیا ہوں وہ میرا خون ہے لیکن میرا دل۔۔۔۔

ماں: تمہارا دل جو کہتا ہے وہی کرو۔ وہ تمہارا خون ہے تم جیسا نہیں ہے۔ ماننا مشکل ہے لیکن وہ یہاں نہیں رہ سکتا۔ ہاں میری جان یہ فیصلہ بہت تکلیف دہ ہو گا۔ لیکن روز روز مرنے سے بہتر ہے کہ تم دونوں ایک ہی دفعہ دل پر پتھر رکھ لو۔ جہاں سے بیلانگ belong کرتا ہے اسے وہیں چھوڑا گھر مت لاؤ۔

زین: لیکن میں خود کو، ماہی کو، نہیں ماں۔۔۔

ماں: کیا نہیں زین؟ تم کیا سمجھتے ہو میں ماہ گل کی تکلیف نہیں سمجھتی؟ میں بھی ایک عورت ہوں۔ ایک ماں ہوں۔ لیکن اس کو یہ کرنا ہو گا۔ لوگ کیا کہیں گے زین؟ کیسے کیسے سوال کریں گے۔ تمہارے بابی کی عزت یو ہیو ٹو انڈر سٹینڈ you have to understand

زین: تو میں کیا کروں ں۔۔۔

ماں: ایک بات بتاؤ۔ تمہارا دل کر رہا ہے اس کو ایکسیپٹ except کرنے کو؟ چلو except کر بھی لیا۔ لوگ پوچھیں گے، سوال کریں گے تو کیا جواب دو گے؟ کیا کہو گے؟ مبارک لو گے۔ جھوٹا Birth certificate بنوالو گے۔ آخر ایک دن تو سچ کھلے گا، تو پھر کیا جواب دو گے؟

زین: یہی تو الجھن ہے ماں۔۔۔ میرا دل نہیں مان رہا ہے لیکن میں ماہی کو کیسے؟؟؟

ماں: وقت کے ساتھ ماہی بھی سمجھ جائے گی۔ تم اس کی Association build ہی مت ہونے دو۔ گھر لانے سے پہلے فیصلہ کر لو۔ دوستوں اور خاندان کو کیا کہنا ہے وہ میں خود کہہ دوں گی۔ خدا تمہیں دوسری اولاد دے گا زین۔ وقت سارے مرہم بھر دیتا ہے۔''(۸)

دیے گئے اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عزیز و اقارب، یہاں تک کہ والدین، دادی سب معاشرے کے خوف سے زنخا بچے کو گھر رکھنے کے لیے تیار نہیں۔ زین جو کہ مخنث بچے کا باپ ہے۔ اس کا دل بھی مطمئن نہیں کہ اس بچے کو گھر لایا جائے۔ اس کی والدہ بھی اسے یہی مشورہ دیتی ہے کہ بچے کو گھر لانے سے پہلے ہی ان جیسوں کے سپرد کر آؤ۔ ایک ماہ گل ہی ہوتی ہے جو اس بات پر رضامند نہیں۔ زین کی والدہ کی گفتگو اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس قسم کے بچوں کو گھر پر تربیت دینا کتنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں سے ہر قسم کے تعلقات ختم کر دیے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ تمام لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ فوت ہو گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ

بچے کی نقلی قبر بنوادی جاتی ہے۔ بچے کی والدہ یہ سب قبول نہیں کر پارہی ہوتی۔ واحد وہی ہے جو بچے کو اپنانا چاہتی ہے مگر یہ ظالم سماج راہ میں روڑے اٹکائے بیٹھا ہے۔ معاشرہ ایسے بچے کو مذاق سمجھتا ہے۔ معاشرے کے دقیانوسی تصورات اور سوچ کو بدلنا ہوگا۔ "خدا میرا بھی ہے" میں بھی باقی خاندان والوں سے مخالفت مول لیتے ہوئے ماہ گل اپنے زنخا بچے کو بالآخر اپنانے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اسے اپنے شوہر تک سے علیحدہ ہونا پڑتا ہے۔ ڈرامے میں ایک موقع پر دکھایا گیا ہے کہ ماہ گل اپنے سوالوں کا جواب لینے اپنی دوست جو کہ ایک ڈاکٹر ہے، نفسیات کو سمجھتی ہے کے پاس پہنچتی ہے۔

دونوں کے مابین ہونے والی بات چیت کو کچھ اس انداز سے پیش کیا گیا ہے:

''ماہ گل: میرے ہاں ایک بچہ ہوا ہے جو کہ نارمل نہیں ہے۔ نہ وہ لڑکا ہے نہ وہ لڑکی ہے اور ابھی میں اس بات کو Absurd ہی کر رہی تھی کہ میرے شوہر نے مجھے ایک ہیجڑے کے اڈے پہ جا کے کھڑا کر دیا اور کہا کہ یہ بچہ یہاں پر دے دو۔

ڈاکٹر: اس نے آپ سے اس بارے میں بات کی تھی؟ بتایا تھا یا پوچھا تھا کہ یہ کرنا چاہیے۔

ماہ گل: نہیں! یہی پرابلم Problem ہے کہ کسی نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا اور نہ سوچنے دیا۔

ڈاکٹر: پھر؟

ماہ گل: پھر مجھ سے یہ کہا گیا کہ میں لوگوں سے یہ کہوں کہ میرا بچہ مر گیا ہے اور وہ مرا نہیں۔ تو میں کیسے کہہ دوں کہ وہ مر گیا۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ساری زندگی سچ کے لیے لڑتی رہی ہوں۔''''

ڈاکٹر: تمہارے ذہن میں الجھن کیا ہے؟

ماہ گل: یہ میری اولاد ہے اور وہ شاید لوگوں کے لیے نارمل نہیں ہے۔ لیکن ہوں تو میں اس کی ماں۔ تو میں اس کو ایکسیپٹ except کیوں نہیں کر سکتی؟ سمجھ رہی ہو۔

ڈاکٹر: تو تم کیا چاہتی ہو؟

ماہ گل: مجھے پتہ ہے کہ کیوں نہیں ایکسیپٹ کرنے دے رہا کوئی؟ کوئی کیوں خود نہیں ایکسیپٹ کر رہا اور مجھے نہیں ایکسیپٹ کرنے دے رہا کیونکہ وہ سوسائٹی سے ڈرتے۔۔۔ وہ ڈرتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے اور مجھے ڈر نہیں ہے۔ مجھے بالکل ڈر نہیں ہے کیونکہ میں سنبھال لوں

گی۔مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔مجھے کسی کی اکسیپٹنس acceptance کی ضرورت نہیں ہے۔میں سنبھال لوں گی۔

ڈاکٹر: توAccept کرلو لیکن تم جانتی ہو نا کہ کتنا کٹھن راستہ چن رہی ہو تم؟

ماہ گل: جانتی ہوں اور تیار ہوں۔

ڈاکٹر: اور اس کے افٹر ایفیکٹس After Effects کا بھی پتہ ہے؟ تمہارا میاں Accept کرے گا؟اور اگر نا کیا تو؟

ماہ گل: تو پھر ہماری سوچ کی differences جو ہیں وہ۔۔۔ وہ ہمارے بیچ میں differences بن جائیں گے۔

ڈاکٹر: چھوڑ سکتی ہو اس کو؟رہ سکتی ہو اس کے بغیر؟

ماہ گل: سب کے بغیر رہنے میں اتنا غم نہیں ہو گا جتنا اپنے بچے کو بنا غلطی کے سزا دینے کا غم ہو گا اس لیے رہ سکتی ہوں۔"(۹)

دیکھا جائے تو معاشرے میں بگاڑ اسی صورت پیدا ہوتا ہے۔جب ایک خاندان اپنے ہاں پیدا ہونے والے زنخا بچے کی شناخت کو قبول کرنے سے عاری ہوتا ہے۔اس سے بچے میں احساس کمتری، تنہائی، جذباتی تکلیف کے احساسات ابھر کر سامنے آتے ہیں۔خواجہ سراؤں میں ذہنی الجھن کے مسائل جنم لیتے ہیں۔ہو سکتا ہے کہ ایسے افراد خودکشی کرنے کا فیصلہ کر لیں۔ایک مخنث بچے کے لیے بے حد اہم ہے کہ ان کے خاندان کے تمام افراد اسے قبول کریں۔تاکہ اسے فلاح و بہبود اور خوشی کا احساس ہو۔اگر تمام عزیز و اقارب زنخا افراد کو قبول کریں گے تو وہ بھی کچھ نام کمانے کے قابل ہو سکے گا۔معاشرے میں سر اٹھا کر چلنا سیکھ سکے گا۔اس کے اندر خود اعتمادی پیدا ہو گی۔قبولیت سے مراد یہ لیا جاتا ہے کہ اس کی صنفی شناخت کو تسلیم کیا جائے۔ان افراد کا احترام کیا جائے اور انہیں یہ احساس دلایا جائے کہ وہ بھی مرد اور عورت کی طرح ایک مخصوص جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔یہ کوئی تحقیر آمیز بات نہیں۔تاکہ وہ بھی زندگی کو مستند انداز میں بسر کر سکیں۔افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے ایسے خاندان موجود ہیں۔جو مخنث افراد کو مسترد اور اپنانے سے انکار کر دیتے ہیں۔جس کی وجہ سے معاشرے میں ایسے افراد بہت سے غلط کاموں میں لگ جاتے ہیں۔یعنی خواجہ سرا ذہنی الجھن، منشیات فروشی، ناچ گانا، جسم فروشی وغیرہ جیسے دھندوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔لہذا سب سے پہلے تو خواجہ سراؤں کے خاندان کے افراد کو اس معاملے میں بیدار کرنے کی اشد ضرورت ہے۔انہیں ایسے وسائل اور مدد فراہم کی جانی چاہیے جن کی مدد سے ان بچوں کی کفالت کی جا سکے انہیں معاشرے میں سر اٹھا کر چلنا

سکھایا جاسکے۔ ساتھ ہی ساتھ اس حوالے سے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ اپنے زنخا بچے کو پال رہے ہیں۔ انہی طریقوں سے ہم اس دقیانوسی سوچ کو بدلنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

٤۔ گرواور خواجہ سرا:

گرو ایک استاد ہوتا ہے۔ ماں کی صورت بھی اختیار کر سکتا ہے۔ گرو ہی خواجہ سراؤں کا روحانی رہنما ہوتا ہے۔ خواجہ سراؤں کی زندگی میں گرو کو ذاتی اور روحانی طور پر بے حد اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ مخنث افراد کی زندگی کو متاثر یا نکھارنے کے لیے گرو مختلف انداز اختیار کر سکتا ہے۔ جب معاشرہ ایسے افراد کو آزادی سے جینے کی اجازت نہیں دیتا تو والدین اپنے بچوں کو گرو کے حوالے کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات پیدائش کے فوراً بعد بچے کی شناخت سے متعلق معلوم ہوتے ہی سماج کے غیر منصفانہ رویوں سے بچنے کے لیے والدین زنخا بچوں کو گرو کے سپرد کر دیتے ہیں۔ گرو جو کہ اس ظالم سماج سے دور اپنی ایک الگ دنیا بسائے ہوئے ہوتے ہیں، نئے بچے کی آمد پر اسی طرح خوشی کا اظہار کرتے ہیں جیسے عام گھرانوں میں نومولود بچے کی پیدائش پر کیا جاتا ہے۔ گانے گائے جاتے ہیں۔ تالیاں بجائی جاتی ہیں۔ دراصل بچے کی پرورش گرو ہی کرتا ہے۔ ڈراما "خدا میرا ابھی ہے" میں دکھایا گیا ہے کہ پیدا ہونے والے مخنث بچے کو گھر لے جانے کی بجائے والدین گرو کے سپرد کر آتے ہیں۔ تاکہ وہ لوگوں کے طعنوں اور تنزیہ لہجوں سے بچ سکیں۔ ڈرامے سے لیا گیا اقتباس پیش خدمت ہے:

''ماہ گل: یہاں کیوں آئے ہیں ہم زین؟

زین: اترو ماہی اس کی جگہ یہیں پر ہے۔ سونا کی خالہ ہیجڑا ہے نا۔ تم نے بتایا تھا۔ ماہی ہم اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ یہ ہم سے بیلانگ belong نہیں کرتا۔ ہم اسے کیسے پالیں گے؟ کتنا چھپائیں گے ہم اسے اور کس کس سے چھپائیں گے؟ اور کب تک؟ کبھی نہ کبھی تو سب کو پتہ چل ہی جائے گا نا۔ ہم ہر روز مریں گے۔ ہمارے گھر والوں کی ہر روز بے عزتی ہو گی۔ پلیز گاڑی سے اترو۔۔۔ آؤ ماہی۔

ببلی باجی (گرو): بسم اللہ، بسم اللہ جی آیانوں صدقے تھی واں۔

زین: آپ ببلی ہیں؟

ببلی جی: ہاں میں ببلی ہوں اور یہ ماہی ہیں اور آپ زین ہو۔ سونا نے پکچر picture دکھائی تھی۔ مبارکہ، مبارکہ آج تو کوئی کسی اپنے کو لے کر ایا ہے ہمارے پاس۔ ہماری دعائیں لینے کے

لیے۔ سونا، ریما ،مریم ادھر آؤ۔جلدی سے آؤ دیکھو کوئی دعائیں لینے آیا ہے ہم سے۔دیکھو۔۔۔

زین: دعا لینے نہیں آئے اسے دینے آئے ہیں۔ ببلی جی یہ ہمارا بچہ آپ لوگوں جیسا ہے۔ماہی دے دو اسے۔

ببلی جی: ٹھیک ہے جو ہم جیسا ہے تو یہی صحیح آج سے یہ ہمارا ہوا۔"(۱۰)

زیر نظر اقتباس سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ والدین اپنے زنخا بچوں کو گرو کے سپرد کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ گرو بچے کو لینے کے بعد اس کی ساری ذمہ داری لیتا ہے۔اس کو پالنا، اس کے حقوق کا تحفظ، اس کے ناز نخرے اٹھانا، سب گرو ہی کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بہترین گرو وہی ہوتا ہے جو اپنے چیلوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ہر ممکن کوشش کریں۔ گرو اپنے بچوں کو ہر طرح کی تربیت دیتا ہے۔ جیسے کہ زمانے کی اونچ نیچ، لوگوں کے رویے برداشت کرنا اور تو اور پیسے کمانے کے طریقے بھی سکھاتا ہے، چیلے اپنے گرو کے ہر حکم کو تسلیم کرتے ہیں۔ تو گرو بھی اپنے بچوں کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوتا ہے۔اسی طرح ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں ایک موقع پر دکھایا جاتا ہے کہ ببلی نامی خواجہ سرا جو کہ باقی خواجہ سراؤں کا گرو ہے۔نور نامی زنخا بچے کی محبت میں خود کو اس قدر بدل دیتا ہے کہ اپنی ظاہری شکل وصورت سمیت چال ڈھال اور لباس بھی مردوں جیسا اپنا لیتا ہے۔

اسی سلسلے میں ڈرامے سے لیا گیا اقتباس کچھ یوں پیش کیا جاتا ہے:

"سویرہ (ماہ گل کی ماں): ماہی ببلی بہت اچھی ہے۔ بہت اچھا کھانا بناتی ہے۔اسے بھی بہت اچھی طرح سے سنبھالتی ہے۔ لیکن کیا نور کا ببلی کے ہاتھوں میں پلنا اس کے لیے اچھا انفلوئنس Infloence ہے؟ اب نور میں کمی تو ہے نا۔گھر میں ایسا ماحول دیکھے گا۔ ببلی کے ہاتھ میں پلے گا، تو شاید وہ نہ بن سکے۔ جو تم چاہتی ہو۔۔۔۔۔(یہ تمام باتیں ببلی سن لیتی ہے)

ببلی جی: سچ پوچھیں تو برا نہیں لگا۔ بس دل کو ایک جھٹکا سا لگا کہ میں اپنے نور کے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کرنے جا رہی تھی۔ خود میں نے اس بارے میں سوچا تک نہیں۔

ماہ گل: نہیں! آپ نور کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر رہی تھی اور۔۔۔

ببلی جی: باجی! باجی بالکل صحیح کہہ رہی تھی۔ماہی جی میں کل صبح ہی واپس چلا۔۔۔

ماہ گل: کوئی کہیں نہیں جائے گا۔ میں نور کو سنبھالنے کے لیے سونا کو بلا لوں گی۔

ببلی جی: سونا کو؟

ماہ گل: ہاں وہ نور کو سنبھالے گی اور اپنی سلائی کا کام بھی سیکھے گی اور آپ جو ہیں نا وہ سارے گھر کے کام کریں گی، کوکنگ وغیرہ اور باقی سب کچھ میں ہینڈل کر لوں گی۔ لیکن آپ کہیں نہیں جائیں گی۔۔۔

(ببلی جی بالوں کو تراش کر مردانہ بال بنا لیتی ہیں۔)

ببلی جی: آج سے میں ببلی نہیں ببن میاں ہوں۔

(سب ببلی کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتے ہیں)

ببن میاں: آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ اب میں ببلی نہیں ببن میاں ہوں۔ ببن میاں The cook۔

ماہ گل: اس بدلاؤ کے پیچھے وجہ؟

ببن میاں: نور! ہاں ماہی جی آپ نے میرے لیے اتنا کچھ کیا تو کیا میں اپنے بچے کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا۔ بس لڑکی سے لڑکا ہی تو بننا تھا۔"(۱۱)

ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں دکھایا گیا گرو کا کردار یہ ظاہر کرتا ہے کہ گرو بھی اپنے چیلوں کے لیے خود کو بدل سکتے ہیں۔ انہیں ہر ممکن سہولیات مہیا کرتے ہیں۔ گرو کا کردار اپنے چیلوں کے لیے فیصلہ کن ہوتا ہے۔ زیر بحث ڈرامے میں دکھایا گیا ہے کہ گرو کے زنخا بچے پر بے حد گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی پرورش اور اسے کامیاب شخص بنانے کے لیے گرو کو اپنے ظاہری خد و خال میں تبدیلی لانی پڑتی ہے۔ گرو کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ گرو خواجہ سراؤں کو بھیک مانگنے، ناچ گانے اور اسی قسم کے مختلف کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جبکہ ڈرامے میں دکھائے گئے گرو کے کردار سے ہمیں مثبت پہلو دیکھنے کو ملتا ہے۔

۵۔ تعلیمی پہلو:

پاکستان میں بسنے والے خواجہ سراؤں کو مختلف تعلیمی مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ اساتذہ کا برتاؤ، ہم جماعت طلبہ و طالبات کا رویہ، داخلے میں دشواری، غرض اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل اور مشکلات سے مخنث افراد کو گزرنا پڑتا ہے۔ زنخا افراد کو تعلیمی مواقع فراہم نہیں کیے جاتے۔ معاشرے میں ان کا مقام انہیں تعلیم سے دور کر دیتا ہے۔ انہیں ہر معاملے میں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ برابر کا سلوک روا نہیں رکھا جاتا اور اکثر والدین ایسے بچوں کو ان جیسوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ذرائع آمدن کی عدم فراہمی کے باعث وہ تعلیم سے دور ہونے پر مجبور ہو

جاتے ہیں۔ چونکہ مخنث افراد کو معاشرہ اور خاندان قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ان کی تعلیم پر بھی توجہ دیناضروری نہیں سمجھا جاتا۔ خواجہ سراؤں سے متعلق معلومات میں کمی، ان کی جنسی پریشانیوں سے ناواقف ہونے کے سبب خواجہ سرا افراد کو بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ تمام تر پریشانیاں، دشواریاں، مشکلات، معاشرے کے دیگر افراد کی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ انہیں جبراناخواندگی کی طرف دھکیلا جاتا ہے۔ خواجہ سراؤں کا تعلیم حاصل نہ کرنے کاایک سبب مالی وسائل کی کمی بھی ہے۔ سب سے بڑی وجہ ہمارے معاشرے میں خواجہ سرا بچے کو عام سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نادینا ہے۔ ان کے لیے داخلے کے دوران شناخت کا مسئلہ بنادیا جاتا ہے۔ انہیں حقیر سمجھا جاتا ہے۔

ڈراما "خدامیرا بھی ہے" میں بھی سکول پرنسپل اور زنخا بچے کی ماں (ماہ گل) کے درمیان اسی قسم کی گفتگو دکھائی گئی ہے:

> ''پرنسپل: ماہ گل! یہ ہاسپٹل کا سرٹیفکیٹ تو کچھ اور ہی بتارہا ہے نور کا جینڈر کلیئر Gender clear نہیں ہے۔I meant...
>
> ماہ گل: آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، نور کا جینڈر سپیسفک Gender Specific نہیں ہے۔
>
> پرنسپل: I'm sorry آپ بہت بہادر ماں ہیں۔ لیکن میں نور کو یہاں ایڈمیشن Admission نہیں دے سکتی۔
>
> ماہ گل: Excuse me نور Intelligence ہے۔ Mentally normal ہے۔ اس کی فزیکل ڈس ایبلٹی Physical disability سے کسی کو کیا لینا دینا۔
>
> پرنسپل: یہ نور کے لیے بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ آپ خود سوچیئے۔ یہ فارم تو کیا دنیا کا کوئی فارم آپ فل کرنے بیٹھیں گی تو وہاں دو ہی آپشن ہوتے ہیں۔ میل یا فیمیل تیسرا آپشن کوئی نہیں ہے۔
>
> ماہ گل: تو آپ کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ نور سکول میں پڑھ نہیں سکتا۔۔۔''(۱۲)

سکول میں داخلہ نہ ملنے کے بعد زنخا بچے پر برا اثر پڑتا ہے وہ اپنی ماں سے سوالات کرنے لگتا ہے کہ آخر کیوں اسے سکول پڑھنے کے لیے نہیں بھیجا جارہا؟ اس پریشانی میں ماہ گل میکائیل نامی شخص جو کہ فلاح و بہبود کا کام کرتا ہے کے پاس پہنچ جاتی ہے اس سے درخواست کرتی ہے کہ وہ نور کو ایک استاد کی طرح تعلیم دے۔ دراصل سماج میں ایک باوقار مقام حاصل کرنے کے لیے ہر جنس سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے تعلیم بے حد ضروری ہے۔ ہمارے

سماج میں بھی ان فرسودہ خیالات و تصورات کے مالک لوگوں کو اپنی سوچ میں رد و بدل کرنا چاہیے اور خواجہ سراؤں کو بھی معاشرے کا اہم حصہ سمجھتے ہوئے تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرنے چاہیے۔اس کے علاوہ تعلیمی سرگرمیوں کے دوران ان کے ساتھ کیے گئے جس سلوک کا گلا خواجہ سراؤں کی طرف سے کیا جاتا ہے،اس کو دور کرنا چاہیے۔ تعلیمی سطح پر بھی انہیں تحفظ فراہم کیا جائے۔اگر دیگر بچوں کی طرح کا سلوک نہ کیا جائے تو ایسے بچے جلد احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔وہ اپنی شناخت نہیں کر پاتے۔ ریاست اور سماج دونوں کا فرض ہے کہ وہ فلاح و بہبود کے دیگر کاموں کی طرح اس فریضے کو بھی بخوبی سرانجام دیں اور زیادہ سے زیادہ تعلیمی مواقع فراہم کیے جائیں۔ تاکہ خواجہ سرا بھی سماج کا ایک فعال طبقہ کہلائیں جیسے کہ ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں دکھایا گیا ہے کہ میکائیل ایک زنخا بچے کو تعلیم دلا کر ایک کامیاب شہری بناتا ہے اور اس طرح نور (خواجہ سرا) میں خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔

٦۔معاشرتی پہلو:

خواجہ سراؤں کو مختلف قسم کے معاشرتی رویوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے. معاشرے کا رویہ ہر انسان کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتا ہے. اکثر سننے کو ملتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے ؟ یہی حال مخنث افراد کا بھی ہے. وہ معاشرے کا حصہ بن کر چلنے کی کوشش کرتے ہیں. مگر معاشرہ اور اس میں رہنے والے لوگ انہیں آزادی سے جینے نہیں دیتے۔ان رویوں سے تنگ آکر خواجہ سرا اپنے لیے ایک الگ برادری کا انتخاب کر بیٹھتے ہیں۔ بعض اوقات تو انہیں جن رویوں کا سامنا رہتا ہے۔اس کے باعث تعلیم ،روزگار اور دیگر حقوق کے تحفظ سے یہ لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ ہمارے منتخب کیے گئے ڈراموں میں سماج میں رہنے والے لوگوں کے مختلف رویوں کو پیش کیا گیا ہے کہ مخنث بچے کی پیدائش پر لوگوں کے تاثرات کس قسم کے ہوتے ہیں؟ کھیل کے دوران بچے کو کس طرح ہراساں کیا جاتا ہے؟ عزیز و اقارب خصوصی طور پر گھر کے افراد کا رویہ کیسا ہوتا ہے ؟زیر بحث ڈرامے میں اس قسم کے رویے کی عکاسی کی گئی ہے۔ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں مختلف رویے دکھائی دیتے ہیں۔ماں کی بات کی جائے تو وہ معاشرے کے فرسودہ روایات و تصورات کے برخلاف اپنے بچے کو اپنا لیتی ہے۔وہ چاہتی ہے کہ وہ اس معاشرے کے تمام دقیانوسی خیالات کو تبدیل کرے۔ان میں رد و بدل کرے۔ والد جو اپنی ماں کے سمجھانے اور کافی حد تک خود بھی معاشرتی رد عمل کے خوف سے اپنے زنخا بچے کو قبول کرنے سے انکاری ہوتا ہے۔بچے کی دادی کا رویہ جو اس سب کا قصوروار اس کی ماں کو قرار دیتے ہوئے تحقیر آمیز رویے کا اظہار کرتی ہے اور بے حد تلخ الفاظ کا استعمال کرتی ہے۔ڈرامے سے لیے گئے چند جملے پیش کیے جاتے ہیں:

''ماہ گل: کیا ہوا ہے ماما بتائیں نا۔

عرشی (زین کی والدہ): کیا ہوا سویرا؟ ماہ گل کو بتا نہیں رہی ہو۔ کیا گل کھلایا ہے اس نے۔

سویرا (ماہ گل کی ماں): عرشی پلیز اس وقت نہیں۔ بعد میں بات کریں گے۔

ماہ گل: کیا ہوا ہے ماما؟

عرشی: وہی تو بتا رہی ہوں۔ بہت کمال کی اولاد پیدا کی ہے تم نے۔ different سوچ رکھنے والی ماں کی بہت ہی different اولاد۔

ظاہر (زین کا بھائی): ماں!۔۔۔(روکتے ہوئے)

عرشی: نابیٹا پیدا کیا ہے تم نے، نابیٹی۔

سویرا: عرشی!۔۔۔(روکتے ہوئے)

عرشی: ہیجڑا پیدا کیا ہے۔ بولیں نا۔ بولتی کیوں نہیں ہو تم سویرا۔

ظاہر: ماں یہ کوئی وقت ہے یہ باتیں کرنے کا؟۔۔۔''(۱۳)

اس قسم کے تلخ الفاظ سے ماں پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بچے کی دادی کی طرح نومولود بچے کا باپ جو اس سماج کے رویے اور اس کے بنائے ہوئے بے بنیاد اصولوں کے خوف سے اس بات کو ماننے پر رضامند نہیں کہ بچے کی تربیت گھر پر کی جائے۔ یہ تمام رویے معاشرتی رد عمل یا معاشرتی رویوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ہر انسان پر معاشرہ بہت اثر انداز ہوتا ہے۔ معاشرے اور مخنث افراد کے مابین ہمیشہ سے ایک پیچیدہ اور تکرار بھرا رشتہ رہا ہے۔ خواجہ سراؤں کو معاشرے کی طرف سے مختلف امتیازی برتاؤ، بدنامی اور دھتکار جیسے عوامل کا سامنا رہا ہے۔ یہی نہیں ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں دیکھنے کو ملتا ہے کہ ماں کے بچے کو پالنے کے فیصلے کے بعد بچے کو سکول میں داخلے کے حوالے سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ وہ ایسے بچوں کو تعلیم تک کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے داخلے کے مسائل جنم لیتے ہیں۔ وقت گزرنے کے بعد جب بچہ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ کھیلنے کے قابل ہو جاتا ہے تو اسے باقی بچے حراساں کرتے ہیں۔ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں، دھتکارتے ہیں، دھکیلتے ہیں، اس پر ہنستے ہیں۔ یہ تمام تر رویے اس کے ذہن پر گہرے نقوش چھوڑ جاتے ہیں اور وہ صنفی شناخت کی الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر وہ ہے کون؟ لوگ اس کے ساتھ ایسا رویہ کیوں رکھتے ہیں۔

ڈرامے میں دکھائے گئے منظر کو مصنفہ نے قارئین کے سامنے کچھ اس انداز میں پیش کیا:

''کھیل کا میدان بچے: تو بھی کھیلے گا۔ کھیل سکو گی کیا؟ بھاگ سکو گی دھنو! آئے ہائے! دیکھو

دوستوں اس کی آنکھوں میں تو موٹے موٹے آنسو آ گئے۔ ماما نے بتایا نہیں کیا مرد فٹبال کھیلتے ہیں۔ (تمام بچے قہقہ لگانے لگتے ہیں)''(۱٤)

اس ذلت آمیز رویے سے زنخا بچہ بہت سی الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ ذات کی پہچان، صنفی شناخت کے مسائل وغیرہ۔ ایسا نہیں کہ خواجہ سرا کوئی اور ہی مخلوق ہیں۔ وہ بھی باقی انسانوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ان میں بھی جذبات واحساسات پائے جاتے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ ان تمام رویوں کو عام انسانوں سے کئی زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ کھیل کے میدان میں پیش آنے والے واقعے سے نور کے دل ودماغ میں بھی یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر اس کی کیا پہچان ہے۔ وہ روتے ہوئے جوں ہی میدان سے باہر قدم رکھتا ہے۔ اس کا سامنا اپنے استاد میکائیل سے ہوتا ہے۔ زنخا بچہ اپنے استاد سے سوال کرتا ہے کہ میں ایسا کیوں ہوں؟ مجھے ایسا کیوں بنایا گیا ہے۔ بچوں کا تلخ رویہ زنخا بچے پر اس قدر اثر انداز ہوتا ہے کہ وہ اپنے استاد جسے وہ باپ کا درجہ دیتا ہے، کی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ وہ اسی کشمکش میں ہوتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کرتے ہیں؟ کیا وہ انسان نہیں؟ معاشرے کے ان مختلف رویوں سے ایک اور پہلو جو بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ سامنے آتا ہے اور وہ مخنث افراد کی صنفی شناخت کی الجھن سے متعلق ہے۔

مصنفہ نے غیر جانبداری سے ڈرامے "خدا میرا بھی ہے" میں اس پہلو کی بھرپور عکاسی کی ہے:

''میکائیل: نور! ارے۔۔۔

نور: میں ایسا کیوں ہوں؟ میکائیل انکل میں ایسا کیوں ہوں؟ سب لوگ میرا مذاق کیوں اڑاتے ہیں؟ آپ کچھ بولتے کیوں نہیں مجھے Answer چاہیے۔

میکائیل: آجاؤ نور چلو گاڑی میں بیٹھتے ہیں۔

نور: نہیں! پہلے مجھے جواب چاہیے۔

میکائیل: تم مجھے منع کر رہے ہو نور؟ آؤ گاڑی میں بیٹھو سارے جواب مل جائیں گے۔۔۔

(سگنل پر گاڑی کے روکتے ہی خواجہ سرا بھیک مانگنے آجاتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد۔۔۔)

نور: کیا میں یہ ہوں؟ کیا میں اس جیسا ہوں؟۔۔۔۔''(۱۵)

اس اقتباس سے یہی اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ایسے بچے سمجھ نہیں پا رہے ہوتے کہ نا جانے ان کا قصور کیا ہے؟ ان کے ذہن میں ایک ہی سوال ابھرتا ہے کہ ان کو کس بات کی سزا دی جا رہی ہے؟ لوگوں کا رویہ اس قدر تلخ اور تضحیک آمیز کیوں ہے؟ وہ مکمل مرد یا عورت نہیں تو اس میں ان کی تو کوئی غلطی نہیں۔ وہ پریشانی کا شکار ہونے لگتے ہیں کہ وہ

مرد ہیں یا عورت۔ان کے ساتھ معاشرہ اس قسم کا برتاؤ ان کی کس غلطی کے سبب کرتا ہے؟ وہ سمجھ نہیں پاتا کہ انہیں حقیر کیوں سمجھا جاتا ہے؟ مصنفہ نے بڑی عمدگی سے معاشرے کے متنوع پہلوؤں کو پیش کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہمیں معاشرے کے ان بے بنیاد اصولوں کو جڑ سے اتار پھینکنا ہوگا۔

اسماء نبیل اپنے ڈرامے "خدا میرا بھی ہے" میں ایک اور موقع پر معاشرے کا ایک اور بھیانک چہرہ دکھاتی ہیں۔ جب نور شاپنگ مال جاتا ہے تو لوگ اس پر جملے کستے ہیں۔ اسے چھیڑنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر یہاں مصنفہ نے ایسی مضبوط شخصیت کو دکھایا ہے۔ جو ان تمام مراحل سے گزر کر باوقار اور باشعور فرد بن چکی ہے۔ وہ لوگوں کے رویے کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ اس بات سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر زنخا افراد کو کسی نہ کسی کی طرف سے یا یوں کہیں کہ اگر معاشرے میں موجود لوگوں کی پست سوچ کو نظر انداز کر کے اس کی بہترین تربیت کی جائے، تو ایسے افراد بھی اپنی ایک مضبوط پہچان قائم کر سکتے ہیں اور پھر انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کوئی ان سے متعلق کیا سوچتا ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔ انہیں بس اپنے مقصد کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ جس کے لیے وہ مسلسل محنت کرتے ہیں۔ محض ایک شخص کی حوصلہ افزائی بھی از حد اہمیت رکھتی ہے، تو سوچنے کا امر یہ ہے کہ جب یہ سماج مخنث افراد کو قبول کر لے گا، تو وہ اس معاشرے کے لیے کس قدر کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں مگر یہاں یہ پہلو بھی غور طلب ہے کہ ہمارے معاشرے کا المیہ تو یہ ہے کہ ایسے بچوں کو سکولوں میں داخلے کی اجازت تو نہیں دی جاتی مگر جب اسی طبقے سے تعلق رکھنے والا کوئی انسان یا عام انسان فلاح و بہبود کا کام کرتے ہوئے ان کے حق کے لیے آواز بلند کرے اور ان کے حقوق کے تحفظ کی بات کرے تو اس کے لیے بھی بہت سی رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں۔ ایسا کیوں؟ معاشرے کو چاہیے کہ وہ زنخا افراد کو اس معاشرے کا حصہ تسلیم کریں۔

۷۔ جنسی اور شادی بیاہ کے مسائل:

ماں باپ کے مابین ازدواجی تعلق قائم کرنے سے اولاد کی پیدائش کا ایک مخصوص طریقہ کار ہوتا ہے۔ اولاد میں یا تو مرد یا عورت کی پیدائش یقینی ہوتی ہے مگر بعض اوقات جنسی کروموسومز میں خرابی کے باعث پیدا ہونے والا بچہ نہ تو مرد ہوتا ہے اور نہ ہی عورت۔ ایسے بچوں کے لیے مخنث یا زنخا وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس قسم کے افراد کے لیے ازدواجی زندگی قائم کرنا ایک پیچیدہ پہلو ہے، وہ جنسی حوالے سے ہمیشہ کشمکش کا شکار رہتے ہیں۔ جن مخنث افراد میں مردوں اور عورتوں والی علامات دونوں پائی جائیں ان سے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ اسماء نبیل نے اپنے منتخب ڈرامے میں بھی اسی نوعیت کے پہلو کی وضاحت کی ہے۔ یہاں دکھایا جاتا ہے کہ جب نور جو کہ زنخا ہے اور اس کی دوست سنیہ میں تعلق دوستی سے بھڑنے لگتا ہے تو ماہ گل اور میکائیل کو پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ اس ساری

صورتحال کے پیش نظر میکائیل نور کو سمجھانے کا فیصلہ کرتا ہے۔اس سلسلے میں پیش کیا گیا اقتباس درج ذیل ہے:

''میکائیل: کیا سنیہ کے بارے میں صرف ایک دوست کی حیثیت سے سوچتے ہو یا کچھ اور ۔۔۔'

نور: نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔

میکائیل: I wish تم جو کہہ رہے ہو اس میں صداقت ہوتی۔دیکھو نور میں جانتا ہوں میں جو کہنے والا ہوں تمہیں بہت برا لگے گا۔infect تم heart بھی ہو سکتے ہو۔لیکن تمہیں warn کرنا میرا فرض بنتا ہے۔دیکھو نور تم سمجھنے کی کوشش کرو جس طرح کا رشتہ تم سنیہ کے ساتھ چاہتے ہو وہ ہو نہیں سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے میرا اور ماہ گل کا رشتہ نہیں ہو سکتا۔میں جانتا ہوں کہ یہ سچ کبھی نہیں ہو سکتا پھر بھی میں اس بات کو مان چکا ہوں۔اس حقیقت کو میں نے قبول کر لیا ہے۔

نور: آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

میکائیل: میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں نور کے تمہارا اور سنیہ کا رشتہ ہو ہی نہیں سکتا۔ہاں اگر اس کے ساتھ صرف دوستی چاہتے ہو تو یہ تمہاری مرضی ہے لیکن اگر خوابوں کی دنیا میں رہ کر ٹھوکریں کھانا چاہتے ہو نا تو یہ اچھی بات نہیں۔کیا وہ سچائی جانتی ہے؟ کیا اسے بتانے کی ہمت ہے؟ تو کیا لگتا ہے تمہیں کہ سچ کو چھپا کر تم اپنے رشتے کی ڈور مضبوط کرو گے؟

نور: تو کیا کروں؟

میکائیل: ہمت کرو میرے بیٹے۔اسے سب کچھ سچ سچ بتا دو۔

نور: نہیں بتا سکتا۔

میکائیل: تو پھر چوٹ کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ لیکن چوٹ تو تمہیں لگے گی اور بہت زور کی لگے گی۔۔۔''(١٦)

نور اور میکائیل کے مابین اس گفتگو سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جنسی حوالے سے ایسے افراد پریشانی کا شکار رہتے ہیں۔انہیں ازدواجی زندگی گزارنے کے سلسلے میں بہت سے مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ان افراد میں وہ خصوصیات نہیں پائی جاتی۔ جو ایک رشتہ ازدواج میں ڈھلنے کے لیے ناگزیر ہیں۔ان کے تعلقات کو قانونی طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا۔زیر بحث ڈرامے میں یہی دکھایا گیا ہے کہ مخنث افراد کے لیے شادی کے بندھن میں بندھنا ممکن نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے دیگر لوگوں کے ساتھ تعلقات میں تناؤ پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے سماج میں خواجہ سراؤں کو شادی تو دور

محبت کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ایسا کرنے پر سماج ان جیسوں کا جینا دو بھر کر دیتا ہے۔ان کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں۔یہ ایک دقیق پہلو ہے۔بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔خاندان بنا کر اپنی نسل کو آگے بڑھانے کا عمل فطری ہے۔ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کو آگے بڑھائے۔جس کے لیے مرد اور عورت کا شادی کے بندھن میں بندھنا از حد ضروری ہوتا ہے مگر خواجہ سرا جو کہ ایسی صلاحیتوں سے محروم ہوتے ہیں، جن کے سبب وہ رشتۂ ازدواج میں بندھ سکیں۔یہی پہلو اسماء نبیل کے ڈرامے "خدا میرا بھی ہے" میں دیگر پہلوؤں کے ہمراہ پیش کیا گیا ہے۔

زیر بحث ڈرامے میں ایک کامیاب مخنث شخص کو دکھایا جاتا ہے۔جس کی کامیابی کے پیچھے سب سے پہلے تو اس کی والدہ اور اس کے بعد اس کے استاد میکائیل جنہوں نے نور کی ہر لمحہ ہمت انگیزی کی، ہر قدم پر اس کا ساتھ دیا، کا بھی اہم کردار ہے۔ڈرامے میں مصنفہ ایک خاص پیغام اور پہلو کی طرف قارئین و سامعین کی توجہ دلانا چاہ رہی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ زنخا بچے بھی معاشرے میں رہنے کے اتنے ہی حقدار ہیں جتنے کہ عام مرد عورت۔ایسے بچوں کو کمتر جان کر نظر انداز کر دینا۔ان کے حقوق کا تحفظ نہ کرنا۔ سراسر غیر منصفانہ فعل ہے۔مخنث بچوں کو ہیچ برابر بھی اہمیت دی جائے تو وہ اس معاشرے کے باوقار افراد بن سکتے ہیں اور ملکی معیشت کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔معاشرے کی سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے اور زنخا بچوں کو ہر ممکن سہولیات فراہم کرنی چاہیے۔تاکہ انہیں کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے۔جگہ جگہ ناچ گانے اور بھیک مانگنے کی نوبت نہ آئے۔

ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ جب مخنث افراد کوئی بڑی کامیابی حاصل کر لیں، تبھی ان کے عزیز و اقارب کو ان کی یاد ستانے لگتی ہے۔ایسا ہی حال اسماء نبیل کے ڈرامے "خدا میرا بھی ہے" میں دکھایا گیا ہے کہ جب نور نامی خواجہ سرا ایک کامیاب بزنس مین بن جاتا ہے۔تو اس کے والد، دادی وغیرہ کو احساس ہوتا ہے کہ ان جیسے بچوں کو بھی اس معاشرے میں آزادی سے جینے کا حق ہے۔مصنفہ اس پہلو کو اجاگر کرنا چاہتی ہیں کہ ہمیں معاشرے کی اس پارینہ سوچ اور رجعت پسند تصورات کو رد کر کے یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ مخنث افراد کا بھی پورا حق ہے کہ وہ ایک خوشحال زندگی بسر کر سکیں۔ان کو بھی خدا نے بنایا ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم ان کی تذلیل کریں، انہیں نیچا دکھائیں، ان سے کراہت محسوس کریں۔سب سے خاص پیغام جو کہ مصنفہ دینا چاہتی ہیں کہ معاشرہ ان جیسے بچوں کو اچھوت سمجھتا ہے ،ان پر طنز کرتا ہے، تانے کستا ہے۔ڈرامے کے اختتام پر ایک مخنث بچے کی کامیابی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب ایک مخنث بچہ پڑھ لکھ کر باشعور اور کامیاب شہری بن سکتا ہے تو ان جیسے باقی بچوں کو کیوں اس حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔خواجہ سرا جو کہ خدا ہی کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں۔ان کی پیدائش کے بعد انہیں یا تو کچرے کے ڈھیر میں پھینک دیا

جاتا ہے یا انہیں معاشرے سے دور رہ کر صرف بھیک اور ناچلانے ہی تک محدود رکھ دیا جاتا ہے۔ان کی تخلیق کا ہر گز یہ مقصد نہیں۔ بلکہ جیسے خدا ہم عام انسانوں کا ہے ویسے ہی ان کا بھی ہے۔ خواجہ سراؤں کو انسان سمجھتے ہوئے انہیں وہ تمام مواقع فراہم کیے جائیں، جو باقی انسانوں کو زندگی گزارنے کے لیے مہیا کیے جاتے ہیں۔ تو یہ بھی معاشرے کے فتحیاب شہری بن سکتے ہیں۔

۸۔عدیل رزاق:

پاکستان کے مشہور ڈراما نگار عدیل رزاق، جنہوں نے ہم ٹی وی پر نشر کیے گئے اپنے ڈراموں "مقدس" ۲۰۱۵ءاور "دیوانہ" ۲۰۱۶ءسے بے حد شہرت حاصل کی۔انہیں ان کی بہترین کارکردگی کی بناپر ۱۵ویں لکس سٹائل ایوارڈ برائے "مقدس" کے لیے بھی نامزد کیا گیا۔ آپ ایک آزاد مصنف ہیں۔ آپ نے بے شمار ڈرامے تحریر کیے ہیں۔ جن میں "مقدس" ۲۰۱۵ء، "دیوانہ" ۲۰۱۶ء، "کتنی گرہیں باقی ہیں" ۲۰۱۷ء، "پکار" ۲۰۱۸ء، "تھوڑا سا حق" ۲۰۱۹ء، "دلہن" ۲۰۲۰ءوغیرہ وغیرہ جیسے بہترین ڈرامے تحریر کیے۔ان کا ڈراما "سر راہ" جو حال ہی میں منظر عام پر آیا۔ بے حد مقبول ہوا اور سامعین نے اس ڈرامے کی بے حد پذیرائی کی۔ آپ کو بہترین کارکردگی کے لیے ۲۰۱۶ء میں ایوارڈ کے لیے بھی مامور کیا گیا۔ عدیل رزاق کا تحریر کردہ ڈراما "سر راہ" ۲۰۲۳ء میں اے آر وائی ڈیجیٹل پر نشر کیا گیا ہے۔ زیر بحث ڈرامے میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی زندگی سے متعلق اور ان کو درپیش سماجی مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔اس ڈرامے کے مصنف عدیل رزاق، ہدایت کار احمد بھٹی اور اداکاروں میں صبا قمر، صبور علی، حریم فاروقی، سنیتا مارشل اور منیب بٹ شامل ہیں۔ ڈرامے کی نشریات کی بات کی جائے تو ۴ فروری سے ۱۱مارچ ۲۰۲۳ءتک جاری رہا۔ "سر راہ" میں ان خواتین کی زندگی کے ان پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے جو ان کے لیے اذیت ناک تھے۔ دراصل مصنف نے اس ڈرامے میں بچپن میں کی جانے والی شادیوں جیسے سنگین پہلو کو منظر عام پر لایا ہے۔اس کے علاوہ ایسی خواتین جو جنسی بے راہ روی کا شکار ہوتی ہیں اور انہیں عورت ہونے کی وجہ سے بہت سے معاملات میں دشواری کا سامنا رہتا ہے، کی کہانی پیش کی ہے۔ پانچ کہانیاں پر مشتمل ڈرامے کا ایک اور پہلو جس میں ان لڑکیوں کی کہانی پیش کی گئی ہے جو اپنے باپ کا سہارا بننا چاہتی ہیں، پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے، ایسی لڑکیاں عزت داؤ پر لگنے کے خوف کے سبب یہ قدم اٹھانے سے قاصر ہیں۔ ڈرامے کی ایک اور مہتم بالشان کہانی جو کہ ان لوگوں کی ہے جو صنفی شناخت کے بموجب ذلیل ہو رہے ہیں۔ چونکہ ہمارے مقالے کا موضوع خواجہ سراؤں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی ہے۔اس لیے اس ڈرامے میں خواجہ سراؤں کی زندگی کی عکاسی کی ترجمانی ہمارا

مقصد ہے۔ دراصل مصنف نے جامع اور مدلل انداز میں اس پہلو کو پیش کیا ہے۔ ان کا مقصد معاشرے کی توجہ اس مسئلے کی طرف کروانا ہے، جس کے سبب خواجہ سرا کو مجبور ہو کر دور اپنی الگ دنیا بسانی پڑتی ہے۔

ڈراما "سر راہ" میں خواجہ سراؤں کی زندگی کے جن پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، ان میں سب سے اہم پہلو معاشرتی رویے ہیں۔ جس میں والدین، بہن بھائی، عزیز و اقارب، معاشرے میں رہنے والے لوگ وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں سب سے پہلے تو والدہ اور بھائی کا اپنے سوتیلے زنخا بھائی سارنگ کے ساتھ رویے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خواجہ سرا ماں باپ، بہن بھائی، رشتہ دار وغیرہ جیسے رشتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ "سر راہ" میں اس نکتے کو ایک الگ انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ جس میں والد اپنے زنخا بچے کی پرورش میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وہ اسے زمانے کے اتار چڑھاؤ سے آگاہ کرتا ہے۔ ہر معاملے میں اس کی معاونت کرتا ہے۔ جبکہ والدہ اور اس کا بھائی ہمیشہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ماں ایک ایسی ہستی ہے جو کبھی اپنے بچوں سے منہ نہیں موڑتی۔ کہیں نہ کہیں دل میں محبت کا جذبہ ضرور موجود ہوتا ہے مگر یہاں بات سوتیلی ماں کی کی گئی ہے۔ سوتیلی مائیں تو ویسے بھی بدنام ہیں کہ وہ اپنے سوتیلے بچوں سے ناروا برتاؤ روا رکھتی ہیں۔ کچھ اسی قسم کے رویے کو "سر راہ" میں بھی پیش کیا گیا ہے۔ سارنگ نامی مخنث بچے کی ماں اسے ہر لمحہ یہ احساس دلاتی رہتی ہے کہ وہ ان جیسا نہیں، اس کے لیے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں۔ اس کی اصل جگہ وہی ہے جہاں اس جیسے بچے رہتے ہیں۔ ہر وقت اسے لڑکیوں کے کپڑے پہنا کر ناچنے کو کہتی رہتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اپنی سگی اولاد کے دل میں اس کے باپ اور اس کے لیے نفرت بھر دیتی ہے۔ ماں کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ اس پر گھر کے دروازے بند کر دیے جائیں مگر اس کا باپ ہمیشہ اس کی حمایت میں کھڑا رہتا ہے۔ اسے پڑھاتا لکھاتا ہے تاکہ وہ آزاد شہری بن سکے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ اسے کسی کی محتاجی نہ کرنی پڑے۔ زیر نظر ڈرامے میں ماں باپ کے مابین اسی موضوع پر اکثر کشیدگی رہتی ہے۔

شبیر احمد جو کہ سارنگ کا سگا باپ اور ندرت اس کی سوتیلی والدہ کے مابین ہونے والی گفتگو پیش نظر ہے:

> ''ندرت: تم ایک کام کیوں نہیں کرتے اپنے اس بیٹے کو ناچنے گانے والے خواجہ سراؤں کے پاس چھوڑ آؤ۔ بھئی کل کو اس نے بھاگ کر وہیں جانا ہے اور جو وہ کرتے ہیں وہی کرنا ہے۔
>
> شبیر احمد: ندرت۔۔۔(چلاتے ہوئے)
>
> ندرت: کیا ندرت؟ ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ارے جب کل کو اس نے رنگ ریشمی کپڑے پہننے ہیں۔ تالیاں ہی پیٹنی ہیں۔ تو کیوں اس پر پیسہ جھونک رہے ہو؟ جھوٹ بول کر شادی کی تھی نا تم نے مجھ سے۔ خدا کی قسم اگر مجھے پتہ ہوتا نہ کہ تم نے اپنی پہلی بیوی سے یہ زنخا پیدا کیا ہے۔ تو

میں کبھی بھی تم سے شادی نہیں کرتی۔

شبیر احمد: ہزار بار میں نے بولا تمہیں، ہزار بار۔ میرے بچے کے سامنے اس طرح کی باتیں مت کیا کرو۔

ندرت: ارے میرے کہنے نہ کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ قدرت نے اسے زنخا بنایا ہے زنخا۔ ۲۴ گھنٹے اس کے کان میں گھنگرو گونجتے ہوں گے، تالیاں پیٹنے کا دل کرتا ہوگا، ناچنے گانے کا دل کرتا ہوگا اور اگر یقین نہیں آئے تو پوچھ لو اس سے اگر یہ نا کہہ دینا تو میرا منہ کالا کر کے جو سزا چاہے مجھے دے لینا۔

(چھوڑو مجھے۔۔۔۔ہاتھ پکڑ کر باہر نکلنے کا کہتا ہے۔)

شبیر احمد: نکلو! نکلو یہاں سے۔"(۱۷)

دیے گئے اقتباس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کس قدر نفرت بھری ہوتی ہے زنخا افراد کے لیے ان کے اپنے ہی گھر کے افراد کے دلوں میں۔ دیکھا جائے تو مصنف نے یہاں باپ کی صورت میں مثبت پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ جو اپنے مخنث بچے کی تربیت میں کوئی کسر باقی نہیں رہنے دیتا۔ ہر وقت اس کو اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ وہ بھی محنت کر کے اس معاشرے میں باعزت مقام حاصل کر سکتا ہے۔ نہ جانے کیوں یہ معاشرہ زنخا افراد کے معاملے میں اس قدر تلخ اور ناگوار رویہ رکھتا ہے۔ یہاں سوال ابھرتا ہے کہ کیا بچے کے ذہن میں اس کی شناخت سے متعلق سوال اور الجھاؤ پایا جاتا ہے۔ تو ہاں! مصنف نے اس بے چینی کا ذکر بھی اپنے ڈرامے میں کیا ہے۔ اس قسم کا برتاؤ سارنگ کے دماغ پر بے حد اثر انداز ہوتا ہے وہی سوال جو اکثر ایسے بچوں کے دل و دماغ میں ابھرتا ہے، سارنگ بھی ویسی یہ سوچ رکھتا ہے کہ آخر وہ کون ہے؟ زنخا کسے کہتے ہیں؟ میں دوسروں کی نسبت سپیشل کیوں ہوں؟ ان کا جواب کسی کے پاس موجود نہیں۔ وقت ہی ان کو ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیتا ہے۔ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ حالات وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ سکھا دیتے ہیں۔ ڈرامے میں باپ کی کوششوں سے مخنث بچے کو ایک کامیاب انسان بنتے دکھایا گیا ہے مگر اس دوران اس کو کس کس طرح کی باتیں سننی پڑتی ہیں، بہت سے طعنے سہنے پڑتے ہیں، بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان بچوں کو تعلیم کے سلسلے میں بھی بہت سے مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ تعلیم کے دوران ہم جماعت طلبہ کا مخنث بچوں کو چھیڑنا ان کا مذاق اڑانا وغیرہ جیسے پہلوؤں کو زیر نظر ڈرامے میں پیش کیا گیا ہے۔

اسی سلسلے میں "سر راہ" سے لیا گیا اقتباس پیش نظر ہے:

"سارنگ: لیکن بابا کلاس میں مجھے کوئی پڑھنے ہی نہیں دیتا۔ سب لوگ میرا مذاق اڑاتے رہتے

ہیں۔ مجھے تنگ کرتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ڈانس کر کے دکھاؤ۔ بابا! کیا ڈانس کرنا بری بات ہوتی ہے؟

شبیر احمد: نہیں بیٹا! ڈانس کرنا بری بات تو نہیں ہے لیکن آپ تو سکول پڑھنے جاتے ہو نا، صرف پڑھنے۔ سکول کے علاوہ بھی بیٹا لوگ آپ کو bully کریں گے، مذاق اڑائیں گے ، تنگ کریں گے۔ بابا تو آپ کے پاس ہر وقت نہیں ہو سکتے نا۔ بابا نے تو کام بھی کرنا ہے۔ بیٹا آپ نے بہادر بن کر ان گندے لوگوں کو face کرنا ہے۔ کبھی نہیں ڈرنا۔ اپنی studies اور اپنے Aim کو کبھی نہیں چھوڑنا۔ اللہ نے اگر آپ کے اندر ایک کمی رکھی ہے نا تو اس کے بدلے میں آپ کو ایک بہت اعلا کوالٹی quality بھی دی ہے۔

سارنگ: میری memory نا؟

شبیر احمد: ہاں! میرا بیٹا ایک بار جو پڑھ لیتا ہے اس کو فوراً یاد ہو جاتا ہے۔۔۔۔"(۱۸)

اس اقتباس سے ایک طرف تعلیمی مسائل پر نظر پڑتی ہے تو دوسری طرف سارنگ کے باپ کی گفتگو سے ایک مثبت تاثر یہ بھی ابھرتا ہے کہ خدا نے ایسے بچوں کو خاص قسم کی صلاحیتوں سے نوازا ہوتا ہے اور یہی صلاحیتیں انہیں معاشرے میں سر اٹھا کر رہنا سکھاتی ہیں۔ بشرط یہ کہ معاشرے کا رویہ ان کے ساتھ عام انسانوں کے ساتھ پیش کیے جانے والے رویے جیسا ہو جائے۔

ڈراما "سر راہ" میں ایک باپ اپنے زنخا بچے کو اس دنیا کی بے رحم اور سفاک چالوں اور رویوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمارے معاشرے کو مخنث افراد کے ساتھ ہونے والی بے رحمی اور سفاکی کو ختم کرنا چاہیے۔ مخنث افراد بھی پڑھ لکھ کر دنیا کی ہر نعمت کو حاصل کر سکتے ہیں، ہر وہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں، جسے عام لڑکا اور لڑکی حاصل کر سکتی ہے۔ کہانی پر نظر ڈالی جائے تو معلوم پڑتا ہے کہ والدین اپنی اولاد کو مضبوط، باہمت اور کامیاب بنانے میں ایک خاص کردار نبھاتے ہیں۔ اس منفرد انداز سے بیان کی گئی کہانی سے بھی ہم یہی سیکھتے ہیں کہ سماج کے ستم گر اور غیر منصفانہ روپ کو بدلنے کا وقت اب آ چکا ہے۔ ہمارے معاشرے کے تمام والدین کو سماج کے خوف سے اپنے مخنث بچوں کو دور کوڑے کے ڈبے میں پھینکنے کی بجائے، پال پوس کر باہمت شہری بنانا ہو گا اور یہ ثابت کرنا ہو گا کہ خواجہ سرا بھی ہم جیسے انسان ہی ہیں۔ انہی بھی جینے کی آزادی ہونی چاہیے۔ وہ بھی حق رکھتے ہیں کہ انہیں تحفظ دیا جائے۔ ان کے مسائل کو حل کیا جائے۔ "سر راہ" میں مخنث بچے کی کامیابی کے بعد دکھائے جانے والے مناظر یعنی مخنث بچے کا اپنے سوتیلے بھائی اور والدہ کے ساتھ محبت بھرا رویہ، ان کی ہر ممکن مدد کرنا اور ان کا سہارا بن جانا اس بات

کی طرف اشارہ ہے کہ معاشرہ ان جیسے بچوں کے ساتھ انصاف کے منافی رویہ رواں رکھتا ہے جبکہ ایسے افراد کامیاب ہونے پر بھی اپنے والدین، اپنے عزیز و اقارب کو نہیں بھولتے۔ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ کسی بھی مشکل وقت میں ان کا ساتھ دیا جائے۔ ڈرامے میں دکھائے گئے ان تمام مناظر سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خواجہ سرا طبقہ حقیر نہیں بلکہ انہیں بھی توجہ کی ضرورت ہے۔

المختصر یہ بیان کیا گیا ہے کہ زیر بحث تینوں ڈراموں میں دکھائے گئے مختلف پہلو جو کہ خواجہ سراؤں کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مقصد سماج کو یہ احساس دلانا ہے کہ خواجہ سرا طبقہ جسے ہمیشہ حقارت اور تذلیل کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ وہ بھی عام انسانوں کی طرح خوشحال زندگی بسر کرنے کا حق رکھتا ہے۔ انہیں بھی سماج میں کردار ادا کرنے کی اجازت دی جانی چاہیے۔ خواجہ سرا محنت کر کے نام بنا سکتے ہیں، صرف اپنا ہی نہیں بلکہ اپنے والدین، اپنے عزیز و اقارب اور اپنے ملک کے لیے بھی کچھ کر کے دکھانے کی ہمت رکھتے ہیں۔ معاشرتی رویوں سے تنگ آ کر خواجہ سرا اپنی الگ دنیا بسا لیتے ہیں جہاں وہ اپنے گرو کے ہمراہ رہتے ہیں۔ انہیں اپنے گرو کی ہر بات ماننے کی تاکید کی جاتی ہے۔ اس طرح وہ تعلیمی اور بہت سی دیگر ضروریات زندگی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ بھیک مانگنے اور ناچ گانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کیا خواجہ سراؤں کو حق نہیں کہ وہ بھی عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کر سکیں؟ اپنے تمام حقوق حاصل کر سکیں۔ کوئی ان کی تذلیل نہ کرے۔ معاشرے کی کند سوچ کو بدلنا ہو گا۔ کیا خواجہ سرا انسان نہیں؟ کیا انہیں خدا نے نہیں بنایا؟ یہ تمام سوالات غور طلب ہیں۔ خواجہ سراؤں کے حقوق کا تحفظ بھی ہمارے ہی معاشرے کی ذمہ داری ہے اور یہ فریضہ ہمیں ہی سرانجام دینا ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔قیصرہ حیات، (انٹرویو)از عدیلہ چودھری،https://apnamagazine.com/interview-qaisra-hayat-famous-drama-writer/ ۲۰جولائی۲۰۲۴، 6:00 PM

۲۔قیصرہ حیات، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، الف اللہ اور انسان، https://youtu.be/vTl9_UAdT0M?si=vzuwP7FSmCQgfR9j، ۱مارچ ۲۰۲۴ء، 8:00 PM

۳۔ایضاً

۴۔ایضاً

۵۔ایضاً

۶۔ایضاً

۷۔ایضاً

۸۔اسماء نبیل، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، خدا میرا بھی ہے، https://youtu.be/SQPgmwZ7GvA?si=3l0AuBRCI_WpHnk8، ۱مارچ ۲۰۲۴ء، 8:00 PM

۹۔ایضاً

۱۰۔ایضاً

۱۱۔ایضاً

۱۲۔ایضاً

۱۳۔ایضاً

۱۴۔ایضاً

۱۵۔ایضاً

۱۶۔ایضاً

۱۷۔عدیل رزاق، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، سر راہ، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، ۲مارچ ۲۰۲۴ء، 7:30 PM

۱۸۔ایضاً

باب سوم:

حقیقی زندگی اور ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی اور مسائل کی نوعیت و محرکات کا تقابل

عربی زبان کے لفظ تقابل کے معنوں میں موازنہ کرنا، مقابلہ کرنا، مد مقابل وغیرہ کے الفاظ شامل ہیں۔ ان لغوی معنوں سے ہم یہ مراد لے سکتے ہیں کہ دو چیزوں کے مابین اس طرح موازنہ کرنا کہ ہمیں اس کی مماثل خصوصیات اور غیر مماثل خاصیتوں سے واقفیت حاصل ہو جائے تقابل کہلاتا ہے۔ چونکہ ہمارے مقالے کے تیسرے باب میں ہم منتخب ٹی وی ڈراموں میں پیش کی گئی خواجہ سراؤں کی زندگی کا حقیقی زندگی سے موازنہ کریں گے۔ اس لیے تقابلی مطالعے کے بارے میں جان لینا بھی ضروری ہے۔ یہاں ہم تقابلی مطالعہ کا مختصر جائزہ پیش کریں گے۔

Comparative studies کا لفظ تقابلی مطالعے کے لیے انگریزی میں استعمال ہوتا ہے۔ دو یا دو سے زائد علوم میں موجود مشترک خصوصیات اور افتراقات کو سامنے لا کر ان کے معیار کو پرکھا جاتا ہے۔ آج کے دور میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ تقابلی مطالعہ کا آغاز ۱۹ ویں صدی کی پہلی دہائی سے ہوا مختلف لکھاری تقابلی مطالعہ کی تعریف اپنے اپنے انداز سے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی کچھ اس انداز سے تعریف کرتے دکھائی دیتے ہیں: ''دو چیزوں کے درمیان موازنہ خصوصاً یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ان میں کیا خصوصیات مماثل ہیں اور کیا غیر مماثل ہیں۔''(۱)

تقابلی ادب خاص طور پر دو تہذیبوں کی ثقافت کو واضح کرنے کے لیے ادبی فن پاروں میں دلچسپی ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح کاری اور لکھاری دونوں ہی مختلف ادبی پہلوؤں ان کے درمیان تعلقات انسانی مزاج اور رویوں سے آگاہی حاصل کر پاتا ہے۔ یہ ایک دلچسپ کام ہے جس سے انسانی ذہانت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ ادب سے تعلق رکھنے والے مختلف طریقوں سے تقابلی ادب کی وضاحت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے کہ گوئٹے کا کہنا ہے کہ دیگر اقوام کی ادبی تخلیقات سے متعلق معلومات حاصل کرنے کی لگن اور جستجو پیدا کرنے والے محرکات ہی بہترین ادب میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مغرب میں تقابلی مطالعہ کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے۔ جس کے سبب اس موضوع پر وہاں بے شمار کام کیا جا چکا ہے۔ تقابلی مطالعہ کی اہمیت جاننے کہ چند ایک نکات موجود ہیں یعنی یہ نئے تخلیق کاروں کو اچھے اور عمدہ مواقع فراہم کرتا ہے۔ اس سے معاشرتی زندگی اور عالمگیر معاشرے کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے جیسے کہ پہلے بھی ذکر

کیا جا چکا ہے کہ اس سے دو تہذیبوں اور ثقافتوں کے اشتراکات وافتراقات کو جاننے کا موقع ملتا ہے اور لکھاری کو عالمی سطح پر سراہا جاتا ہے۔

تقابلی مطالعہ کی ابتدا چونکہ مغرب سے ہوئی۔ اس لیے اس سلسلے میں انہوں نے ہی اس روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے تین دبستان سکول آف تھاٹ پیش کیے۔ فرینڈز جرمن اور امریکن سکول آف تھاٹ ان تینوں دبستان نے مل کر اس کی اہمیت کو مزید ابھارا اور اس سلسلے میں بے حد کام کیا۔ مسلسل عمل ہونے کے ناطے تقابلی مطالعہ کے کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں یعنی تقابلی مطالعہ مسلسل عمل کا نام ہے اس لیے اس کے دو اصول تحقیق و تنقید متعارف کیے گئے ہیں۔ تحقیق اور تنقید تقابل کے درمیان ایک کبھی نہ ختم ہونے والا تعلق ہے۔ تقابل میں تحقیق اور تنقید دونوں کے عناصر پائے جانے چاہیے یعنی اشتراکات کا ہونا سب سے اہم جز ہے۔

تقابل کی اقسام بیانیہ تقابل اور تعین قدر ہیں۔ بیانیہ تقابل میں فن پاروں کی ظاہری ساخت اور خدوخال پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ جبکہ تعین قدر میں معیار کا تعین کیا جاتا ہے کہ آیا دونوں فن پاروں میں سے کس کا معیار بلند ہے۔ تقابلی مطالعے کے بارے میں مزید وضاحت درکار نہیں۔ اس لیے اب ہم اشتراکات کی جانب بڑھتے ہیں جو کہ خواجہ سرا کی حقیقی زندگی اور منتخب ڈراموں کے مابین ہیں۔

الف۔ خواجہ سراؤں کی حقیقی زندگی اور منتخب ٹی وی ڈراموں کہ اشتراکات کا جائزہ:

خواجہ سراؤں پر بننے والے بے شمار ڈرامے اب منظر عام پر آنے لگے ہیں۔ انہی میں سے تین کا انتخاب اس مقالے کے لیے کیا گیا ہے۔ ان تینوں ڈراموں میں مخنث افراد کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو الگ الگ طریقوں سے پیش کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیلات پچھلے ابواب میں دی جا چکی ہے۔ باب سوم میں ہم ان کی سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا ڈراموں میں پیش کی گئی زندگی سے موازنہ کریں گے۔

۱۔ والدین اور خواجہ سرا:

بچے کی پیدائش کے ساتھ ساتھ افزائش کرنے والے والدین اپنی اولاد کو زندگی گزارنے کے طور طریقے سکھاتے ہیں۔ اپنی اولاد کو اچھی تربیت دینا، والدین کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ مگر جب وہی والدین اپنے بچے سے قطع تعلق کر لیں تو بچوں پر کیا گزرتی ہے اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس پر یہ سب بیتا ہو۔ یہاں خواجہ سرا بچے کی بات

کی جارہی ہے جنہیں معاشرہ تو بعد میں پہلے اپنے والدین ہی بے گھر کر دیتے ہیں۔ معاشرے کے رد عمل کی وجہ سے اپنی زنخااولاد کو گرو کے سپرد کر دیتے ہیں یا پھر وہ گھر سے بے گھر ہونے کے بعد دربدر پھرتے ہوئے گرو کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ڈراما" خدا میرا بھی ہے" میں ماں باپ معاشرے کے تلخ رویوں کا سامنا کرنے سے بچنے کے لیے اپنے مخنث بچے کو گرو کے حوالے کر دیتے ہیں۔

خواجہ سراؤں سے لیے گئے انٹرویو میں ایک کا کہنا تھا کہ :

''میرا اپنے والدین سے کوئی تعلق نہیں۔ مجھے کم عمری میں ہی گرو کے سپرد کر دیا گیا۔ میرے والدین میرا تعارف کرانا اپنی توہین سمجھتے تھے اور اس بات پر شرم محسوس کرتے تھے کہ ان کا بچہ نہ تو مرد ہے اور نہ ہی عورت۔''(۲)

منتخب کیے گئے ڈراموں میں سے دو ڈراموں میں اسی قسم کے رویے دکھائی دیتے ہیں۔ ڈراما" الف اللہ اور انسان" میں پیش کی گئی مخنث افراد کی زندگی میں ان کے والدین کو نہ دکھا کر یہی حقیقت آشکار کی گئی ہے کہ والدین شامونامی بچے سے پیدائش کے فورا بعد ہی اپنا تعلق ختم کر چکے ہیں۔ شاموا پنے گرو کے ہمراہ رہتا ہے۔ ماں باپ کی محبت سے محروم ہے۔ اگر ماں باپ کے رشتے میں سے باپ کے تعلق کو الگ سے دیکھا جائے تو ڈراموں اور حقیقی زندگی میں خاص کر منتخب کیے گئے تین میں سے دو ڈراموں میں جو کردار باپ کا دکھایا گیا ہے معاشرے میں موجود مخنث بچوں کے والد کا حقیقی زندگی میں بھی وہی کردار ہوتا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت یعنی تصدیق خواجہ سراؤں سے لیے گئے انٹرویو کے پیش نظر کی گئی ہے۔ اس موضوع پر جس قدر تحقیق کی گئی ہے اس سے یہی پہلو سامنے آتا ہے کہ بیشتر والدین اپنی زنخااولاد کو تسلیم کرنے کے قائل نہیں ہوتے۔ ان کا یہی ماننا ہے کہ انہیں دور کسی بستی میں چھوڑ آنا چاہیے۔ آیان عرف آیانہ نامی خواجہ سرا سے انٹرویو کے دوران یہ انکشاف ہوا کہ اس کے والدین اس سے تعلق قائم کرنے کی بجائے اسے ختم کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ بھی معاشرے کے ان غلط مفروضات کو مانتے تھے کہ ہم جیسوں کے لیے یہ دنیا نہیں بنی ہم اچھوت ہیں۔۔

۱۔ معاشرتی رویے اور خواجہ سرا:

ڈراما "الف اللہ اور انسان" اور " خدا میرا بھی ہے" میں معاشرتی رویوں کی عکاسی خواجہ سراؤں کی حقیقی زندگی سے مماثلت اختیار کیے ہوئے ہے۔ شامونامی ہیجڑا، جب شادی بیاہ پر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جاتا ہے تو اسے سخت ظالمانہ برتاؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک اور موقع پر دکھایا گیا ہے کہ شاموں کو چنداوباش لڑکے چھیڑتے ہیں، اس

کا مذاق اڑاتے ہیں، اسے ناچنے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح دیگر منتخب کیے گئے ڈراموں میں بھی معاشرے کے تلخ رویوں کو دکھایا جاتا ہے۔ سارنگ نامی خواجہ سرا بچہ ہو یا نور نامی زنخا بچہ تمام کو کسی نہ کسی صورت معاشرتی امتیازی سلوک کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ انٹرویوز میں ایک خواجہ سرا کا اس سلسلے میں کچھ ایسا کہنا تھا کہ :

''دراصل ضروری نہیں کہ معاشرے میں بسنے والے لوگ جملے بازی کریں یا چھیڑ چھاڑ کریں اکثر ان کی نظریں بھی ہمیں حقارت کا ثبوت دیتی ہیں اکثر لوگ ہمیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جملہ بازی تو اپنا فرض سمجھتے ہیں اب تو ہمیں ان رویوں کی عادت ہو چکی ہے۔''(۳)

آئے دن جب ہم راہ چلتے کسی خواجہ سرا کو دیکھتے ہیں، بھیک مانگتے ہوئے تو ساتھ ہی چند ایسے لوگوں سے بھی سامنا ہوتا ہے جو ان پر جملے کستے ہیں، ان کو طعنے دیتے اور انہیں چھیڑتے پائے جاتے ہیں۔ انہی تلخ حقائق کی نشاندہی ہمارے منتخب کیے گئے ڈراموں میں بھی کی گئی ہے۔ خواجہ سراؤں کو اپنی صنفی شناخت سے متعلق امتیازی سلوک سے اکثر روبرو ہونا پڑتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں اکثر و بیشتر ذلیل کیا جاتا ہے۔ ہمیں دیکھتے ہی ان کے چہروں پر کراہت نظر آنے لگتی ہے۔ اس کی واضح مثال ڈراموں سے لینے کی کوشش کی جائے، تو ڈراما "الف اللہ اور انسان" میں نازی نامی ملکائن کے رویے سے بخوبی تصدیق ہو جاتی ہے۔

خواجہ سراؤں سے متعلق نازی بی بی کے خیالات کو کچھ اس انداز میں پیش کیا گیا ہے :

''نازی: چپ کرو، چپ کرو۔ تم ہیجڑے کیوں آئے ہو۔

ملکانی صاحبہ: کیا ہو گیا ہے نازی۔ میں نے بلایا ہے۔

نازی: رونق لگانے کے لیے یہ ہیجڑے ملے تھے۔ گانا تو آتا نہیں ہے بس بھیں بھیں کری جا رہے ہیں۔ نکلو تم لوگ۔

ملکانی صاحبہ: ایسے نہیں بولتے ان لوگوں سے۔ بڑی بددعا لگتی ہے۔

نازی: ہاں بددعا تو ان کی لگنی ہے۔ پہلے اپنے آپ کو دعا تو دے لیں۔ کسی اور کو جا کے بددعا دینا۔

خواجہ سرا: چھوٹی ملکانی! اتنا غرور نہ کر اپنے مکمل انسان ہونے پر۔ جس خدا نے تجھے بنایا ہے اسی نے ہمیں بنایا ہے۔ ہاں ں۔۔۔۔

نازی: اچھا تو پھر یہاں کیا کر رہے ہو۔ جاؤ جا کے کسی حویلی میں میری طرح بیٹھو نا۔ بڑے آئے انسان۔''(٤)

انہی وجوہات کے سبب یہ معاشرے سے الگ تنہا غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے معاشرے کا فرد دور بھاگتا ہے۔ ان سے ہاتھ ملانا، ان کے مسائل سننا، غرض ان سے بات چیت کرنا بھی گوارا نہیں کرتے ہیں۔ انہیں سماجی میل جول کی اجازت نہیں دی جاتی۔ وہ سماجی حوالے سے محرومیت کا شکار ہوتے ہیں۔ انہیں انسان کی بجائے سیکس مشین سمجھا جاتا ہے۔ عوام کی طرف سے ہمیشہ طنزیہ رد عمل کا شکار رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ پڑھے لکھے لوگوں نے بھی انہیں تضحیک کا نشانہ بنایا۔ یہ سب ان کے لیے بے حد تکلیف دہ ہے۔

۲۔ کھسرے اور رقص:

خواجہ سراؤں کا ذریعہ آمدن گھر گھر جا کر تالیاں پیٹنا، بھیک مانگنا اور جنسی کارکن کے طور پر کام کرنا ہے۔ انہیں جب دیگر مواقع فراہم نہیں کیے جاتے تو یہ مجبور ہو کر ناچ گانا کرتے ہیں یا پھر فحاشی کو ذریعہ معاش بنا لیتے ہیں۔ رقص کے حوالے سے پوچھنے پر ایک جواب دہندہ کا کہنا تھا کہ:

> ''جب ہم گرو کے پاس آجاتے ہیں تو اس کی مرضی کے مطابق جس بھی تقریب میں وہ ہمیں بھیجنا چاہے بھیج دیتا ہے اور اس طرح ہم اس کے لیے پیسے کماتے ہیں۔ بعض اوقات تو ہمیں دوسرے گرو کے ہاتھ بیچ دیا جاتا ہے۔ جس کے عوض اچھی خاصی رقم وصول کی جاتی ہے۔''(۵)

یہاں خواجہ سرا کی زندگی کے ایک انتہائی دردناک اور استحصالی پہلو کو بیان کیا گیا ہے۔ جب وہ اپنے گرو کے پاس پہنچتے ہیں، تو ان کی خود مختاری مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے۔ گرو ان کی زندگی کا مالک بن جاتا ہے اور اپنی مرضی سے ان کا استعمال کرتا ہے۔ چاہے وہ کسی شادی کی تقریب میں ناچنے کے لیے ہو یا کسی اور موقع پر پیسے کمانے کے لیے، خواجہ سرا کو اس بات کا کوئی اختیار نہیں ہوتا کہ وہ خود یہ فیصلہ کر سکیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ وہ اپنے گرو کے احکامات کی تعمیل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور ان کی زندگی کا ہر لمحہ گرو کی مرضی کے مطابق چلتا ہے۔

اس میں مزید یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بعض اوقات گرو اپنے زیرِ دست خواجہ سرا کو دوسرے گرو کے ہاتھ بیچ دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک گرو سے دوسرے گرو تک ان کی منتقلی ایک تجارتی لین دین کی صورت میں ہوتی ہے، جس میں گرو پیسے کے بدلے اپنے خواجہ سرا کو فروخت کر دیتا ہے۔ اس عمل میں خواجہ سرا کی حیثیت ایک سامان کی طرح ہو جاتی ہے، جسے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا جا سکتا ہے۔ ان کے وجود کو پیسے کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اور ان کے انسانی حقوق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

خواجہ سرا کی زندگی کے استحصالی نظام کی ایک افسوسناک تصویر پیش کرتا ہے، جس میں وہ اپنی مرضی اور

حقوق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ان کی زندگی کی مشکلات صرف سماجی تفریق تک محدود نہیں ہیں بلکہ وہ ایک ایسے نظام کا حصہ بن جاتے ہیں جہاں ان کی شناخت اور انسانیت کو مکمل طور پر دبایا جاتا ہے۔انہیں اپنی مرضی کے خلاف کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے،اور ان کے ساتھ ایک تجارتی مال کی طرح سلوک کیا جاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ سرا کو نہ صرف معاشرتی تعصب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔بلکہ وہ ایک ایسے نظام کا شکار بھی ہیں۔جو ان کی انسانیت اور آزادی کو سلب کر لیتا ہے۔ان کی زندگی کا یہ پہلو انتہائی دردناک ہے، جہاں وہ اپنی مرضی اور آزادی سے محروم ہو کر دوسروں کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ان کا وجود ایک استحصالی نظام کے ماتحت آجاتا ہے،اور وہ اپنی انسانی وقار اور حقوق کے لیے جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔

کچھ ایسے ہی معاملات ڈراموں میں بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ڈراما "الف اللہ اور انسان" میں شاموجو کہ باعزت روزی کمانا چاہتا ہے۔ گرو کے بے حد اصرار پر ایک تقریب میں جا کر گانا بجاتا اور رقص کرتا ہے۔اس دوران وہاں انہیں تذلیل کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔معاشرے میں انہیں کوئی عزت نہیں دی جاتی۔کیا خواجہ سرا اسی سلوک کے مستحق ہیں؟اکثر خواجہ سرا یہی سوال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

۳۔محبت وعزت سے محرومی کا شکار:

ماں باپ کی محبت سے محرومی کے ساتھ ساتھ انہیں معاشرے کے دیگر افراد اور رشتہ داروں سے بھی محرومی نصیب ہوتی ہے۔رشتہ دار الگ دھتکارتے ہیں۔کسی سے محبت کا اظہار کرنا انہیں مہنگا پڑ جاتا ہے۔خواجہ سرا جب اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔تو ان سے کراہت محسوس کرتے ہوئے انہیں برا بھلا کہا جاتا ہے۔مگر وہ اپنی محبت کو آخری دم تک نبھاتے ہیں۔ڈراموں میں دکھایا گیا ہے کہ شاموجو کہ ایک خواجہ سرا ہے رانی نامی لڑکی سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اسے دھتکار ہی نصیب ہوتی ہے۔رانی اسے حقیر قرار دیتے ہوئے اس کی محبت کو ٹھکرا دیتی ہے۔ایک جواب دہندہ کا کہنا تھا کہ لوگ ہمیں استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں ناچ گانے کے لیے تو ضرور بلاتے ہیں مگر ہم سے ایک باعزت رشتہ قائم کرنا گوارا نہیں کرتے۔

سیف الرحمن رانا کی کتاب "درمیانے" سے لیا گیا اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"ہمیں ایک کھسرے نے بتایا کہ اس کی ایک سہیلی گل کو پاک پتن میں چن پیر
کہ عرس کے موقع پر ایک لڑکا بہت پسند آیا۔گل نے اس لڑکے سے رابطہ بڑھا
کر اس کا پتہ وغیرہ حاصل کیا اور اس کے بعد گل اسے ملنے اس کے گھاؤں مردانہ بھیس میں

پہنچا۔اس نے لڑکے سے اظہار الفت کیا تو لڑکے نے غصے میں آکر اسے مارا پیٹا اور وہاں سے بھگا دیا۔ گل واپس آکر بہت روئی چیخی چلائی۔''(۶)

محبت کا جذبہ کسی بھی بشر میں موجود ہوتا ہے۔ وہ مرد ہو یا عورت یا تیسری جنس یعنی خواجہ سرا یہاں بات خواجہ سراؤں کی محبت سے متعلق ہو رہی ہے۔ان سے محبت کرنے کو معاشرہ شرک سمجھتا ہے۔خواجہ سراؤں کی حقیقی زندگی میں بھی محبت کی محرومی دیکھنے کو ملتی ہے۔ والدین، بہن بھائی، عزیز رشتہ دار غرض تمام لوگوں کی محبت والفت سے محروم یہ طبقہ دور کہیں بستی میں تن تنہا زندگی بسر کرنے کا پابند ہے۔ یہاں تک کہ انہیں اپنے گھر والوں سے ملنے کے لیے چھپ چھپاتے جانا پڑتا ہے۔ ہر انسان کو پیار و محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی احساسات و جذبات دل میں سمائے رکھتے ہیں۔ڈراما "سر راہ" میں سارنگ نامی خواجہ سرا اپنے تمام رشتوں کی محبت سے محروم نظر آتا ہے۔ سوائے والد کے اس کی ماں اور بھائی اس سے نفرت کرتے ہیں۔اسے انسان سمجھنا گوارا نہیں کرتے۔اسی نوعیت کے اثرات کا خواجہ سراؤں کو باقی دو منتخب کیے گئے ڈراموں میں بھی سامنا رہتا ہے۔ جیسا کہ دیکھا جا سکتا ہے۔ جب نور نامی بچہ ایک کھیل کے میدان میں بچوں کے ہمراہ کھیلنا چاہتا ہے تو وہ اسے ذلیل کرتے ہیں، اس پر ہنستے ہیں۔

جواب دہندہ میں سے اکثر کا کہنا تھا کہ :

''دیگر انسانوں کی نسبت ہمارے اندر کسی بھی بات کو محسوس کرنے کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے۔ ہم مختلف ہیں اس لیے بہت سے معاملات میں ہمیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اگر ہم کسی سے اظہار الفت کرتے ہیں تو ہمیشہ دھتکار ہی ملتی ہے۔''(۷)

اس اقتباس میں ایک خواجہ سرا یہ بیان کر رہا ہے کہ ان کے اندر دوسروں کے مقابلے میں جذبات کو زیادہ شدت سے محسوس کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ مختلف ہیں، اور اسی وجہ سے معاشرے میں انہیں کئی معاملات میں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ جب وہ کسی کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے ہیں تو انہیں عموماً رد یا دھتکار دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خواجہ سرا اپنے جذبات اور احساسات کو بہت گہرائی سے محسوس کرتے ہیں، لیکن انہیں اکثر اس کا جواب منفی ملتا ہے، جس سے وہ تکلیف اور تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں ان کو معاشرے میں برائی کی علامت سمجھا جاتا ہے ان کے جذبات کی قدر کرنے کے بجائے ان کو اس بات کا احساس دلایا جاتا ہے کہ وہ اس معاشرے کا حصہ ہی نہیں ہیں۔

ڈراموں اور حقیقت میں یہ ہمیشہ اخلاص والفت کہ متلاشی رہتے ہیں۔ جبکہ ان کو بدلے میں نفرت ہی ملتی

ہے۔عام انسانوں کی طرح خواجہ سرا بھی چاہت اور خلوص کے حقدار ہوتے ہیں۔ان کے لیے بھی پیار کرنے والے رشتے بے حد ناگزیر ہیں۔

٤۔ہم جماعت طلبہ کا ردعمل:

اب تک کی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ خواجہ سراؤں کو تعلیمی معاملات میں متفرق دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔انہیں اپنی صنفی شناخت کو راز رکھنا پڑتا ہے۔بصورت دیگر ان کے ہمراہ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کا برتاؤ ناقابل برداشت ہوتا ہے۔خاص کر والدین اپنے بچوں کو مخنث افراد کے ہمراہ تعلیمی امور میں حصہ دلوانا باعث توہین سمجھتے ہیں۔اپنے بچوں کو بھی یہی تربیت دیتے ہیں۔جس کے سبب خواجہ سرا کو دوران تعلیم ہم جماعت طلبہ کی جانب سے امتیازی سلوک کا سامنا رہتا ہے۔

انٹرویو کے دوران تعلیم سے متعلق کیے گئے سوال کے جواب میں ایک جواب دہندہ کا کہنا تھا کہ :

> ''تعلیم کے حصول کے دوران مجھے اس قدر اذیت سے دوچار ہونا پڑا کہ میں بے چینی اور اضطراب کا شکار ہو گیا۔یہی وجہ ہے کہ مجھے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنی پڑی۔میں اب تعلیم حاصل کرتے ہوئے اس ڈر کا شکار رہتا ہوں کہ کہیں مجھے پھر سے اسی امتیازی سلوک کا نشانہ نہ بنایا جائے۔''(۸)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ سرا کو تعلیم حاصل کرتے ہوئے بے حد مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔معاشرتی تعصب اور امتیازی سلوک نے انہیں اتنی اذیت میں مبتلا کر دیا کہ وہ مسلسل ذہنی دباؤ اور اضطراب کا شکار ہو گئے۔ان کی تعلیم کے دوران انہیں بار بار ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا جہاں ان کے ساتھ دوسرے طلبہ اور اساتذہ کا رویہ غیر منصفانہ تھا۔ان کی شخصیت اور وجود کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے انہیں حقارت اور تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔

ان سب مشکلات نے انہیں اتنا مایوس اور دل برداشتہ کر دیا کہ وہ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور مجبوراً اسے ادھورا چھوڑنا پڑا۔جب وہ دوبارہ تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو ان کے دل میں ہمیشہ یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں پھر سے انہیں وہی امتیازی سلوک اور اذیت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔اس خوف نے ان کے اندر ایک دائمی عدم تحفظ کا احساس پیدا کر دیا ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنی تعلیمی زندگی میں پیش قدمی کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔

یہ اقتباس ان کی مشکلات کو واضح کرتا ہے کہ کس طرح ایک خواجہ سرا کے لیے تعلیم حاصل کرنا ایک مشکل

ترین سفر بن جاتا ہے۔ نہ صرف انہیں علمی چیلنجز کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بلکہ وہ مسلسل سماجی ناانصافی، نفرت، اور تعصبات کا بھی شکار ہوتے ہیں۔ ایسے ماحول میں تعلیم حاصل کرنا ان کے لیے دوگنا مشکل ہو جاتا ہے، اور انہیں اپنی شناخت اور حقِ تعلیم کے لیے مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اسی سلسلے میں "سر راہ" سے لیا گیا اقتباس بھی غور طلب ہے:

''سارنگ: لیکن بابا کلاس میں مجھے کوئی پڑھنے ہی نہیں دیتا۔ سب لوگ میرا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ مجھے تنگ کرتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ڈانس کر کے دکھاؤ۔ بابا! کیا ڈانس کرنا بری بات ہوتی ہے؟

شبیر احمد: نہیں بیٹا! ڈانس کرنا بری بات تو نہیں ہے لیکن آپ تو سکول پڑھنے جاتے ہو نا، صرف پڑھنے۔ سکول کے علاوہ بھی بیٹا لوگ آپ کو bully کریں گے، مذاق اڑائیں گے، تنگ کریں گے۔ بابا تو آپ کے پاس ہر وقت نہیں ہو سکتے نا۔ بابا نے تو کام بھی کرنا ہے۔ بیٹا آپ نے بہادر بن کر ان گندے لوگوں کو face کرنا ہے۔ کبھی نہیں ڈرنا۔ اپنی studies اور اپنے Aim کو کبھی نہیں چھوڑنا۔ اللہ نے اگر آپ کے اندر ایک کمی رکھی ہے نا تو اس کے بدلے میں آپ کو ایک بہت اعلا کوالٹی quality بھی دی ہے۔

سارنگ: میری memory نا؟

شبیر احمد: ہاں! میرا بیٹا ایک بار جو پڑھ لیتا ہے اس کو فوراً یاد ہو جاتا ہے۔۔۔۔''(۹)

اس اقتباس میں خواجہ سرا کی تعلیمی مشکلات کو بہت گہرائی سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ اپنی حالت کا ذکر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ جب وہ کلاس میں بیٹھتا ہے، تو اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ وہاں کا حصہ نہیں ہے، جیسے وہ وہاں کے لوگوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اس کے ہم جماعت اسے عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں، اور اس کے وجود کو قبول نہیں کرتے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ تنقیدی نظروں اور امتیازی رویوں کی وجہ سے وہ مسلسل ذہنی دباؤ کا شکار رہتا ہے، جس سے اس کی توجہ تعلیم پر مرکوز نہیں رہ پاتی۔ جب وہ تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اسے بار بار احساس دلایا جاتا ہے کہ وہ مختلف ہے، اور اسی لیے وہ معاشرتی دھارے میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ ہونے والے غیر منصفانہ سلوک، طنزیہ جملوں، اور بلیئنگ نے اس کی خود اعتمادی کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ اسے بارہا ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جہاں اس کی تذلیل کی جاتی ہے، اور اسے احساس دلایا جاتا ہے کہ وہ تعلیم کے قابل نہیں ہے۔ خواجہ سرا اس بات کا بھی ذکر کرتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی تعلیمی کارکردگی پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کی حوصلہ

شکنی کی جاتی ہے، اور وہ اپنی تعلیم میں آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے رہ جاتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ کبھی اپنی پڑھائی میں کامیاب نہیں ہو پاتا کیونکہ اس کے ارد گرد کے لوگوں کا رویہ اس کی تعلیمی سرگرمیوں کو متاثر کرتا ہے۔ وہ خوفزدہ رہتا ہے کہ کہیں اس کا تعلیمی سفر ناکامی میں نہ بدل جائے، اور اس کا مستقبل تاریک نہ ہو جائے۔

اس اقتباس میں خواجہ سرا کی زندگی کی مشکلات کا ذکر ہے کہ کس طرح سماجی تفریق، تعصب، اور نفرت نے اس کی تعلیم کو مشکل بنا دیا ہے۔ وہ اپنی شناخت کے ساتھ جینے کی کوشش کرتا ہے، لیکن معاشرتی رویے اس کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اس کی کہانی اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ ایک خواجہ سرا کے لیے تعلیم حاصل کرنا محض ایک اکیڈمک چیلنج نہیں بلکہ ایک معاشرتی جدوجہد بھی ہے، جس میں اسے اپنی شناخت، عزت، اور حقوق کے لیے مسلسل لڑنا پڑتا ہے۔

یہی صورتحال ڈراموں میں بھی تعلیم کے حصول کے دوران زیر تعلیم طلبہ کا خواجہ سرا شخص کے ساتھ دیکھنے کو ملتی ہے۔ سر راہ میں سارنگ اپنے باپ سے گفتگو کے دوران اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھ پر بچے ہنستے ہیں مجھے ناچنے کو کہتے ہیں اور میرا مذاق اڑاتے ہیں کیا ناچنا اتنا ہی برا فعل ہے۔ جس کے جواب میں والد سمجھاتے ہیں کہ ناچنا برا نہیں مگر ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے اور اس عمر میں آپ کو صرف تعلیم پر توجہ دینی چاہیے۔ اس قسم کے رویوں کے باعث مخنث بچے تعلیم پر توجہ نہیں دے پاتے۔ جو ان کی آنے والی زندگی کے لیے مشکلات کا موجب بنتے ہیں۔

۵۔ دوران تعلیم اساتذہ کا برتاؤ:

ایک پہلو جو کہ خواجہ سراؤں کی زندگی پر تحقیق سے سامنے آیا۔ چونکہ پیدائشی طور پر ان میں ایسی حرکات و سکنات واضح نہیں ہوتی۔ جن کے سبب معاشرے میں رہنے والے لوگ جان جائیں کہ بچہ زنخا ہے یعنی والدین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ بچہ آیا مرد ہے یا عورت۔ اسی طرح جب بچے کو سکول میں داخلہ دلوایا جاتا ہے تو اس کے اساتذہ کا وہی برتاؤ ہوتا ہے جو باقی بچوں کے ساتھ رواں رکھا جاتا ہے۔ ڈرامے "خدا میرا بھی ہے" میں دیکھا جا سکتا ہے کہ نور کے استاد میکائیل کا رویہ شفقت آمیز ہوتا ہے۔ اسے اپنے استاد سے باپ جیسی الفت محسوس ہوتی ہے جبکہ اس کا استاد اس کی حقیقت جانتا ہے۔ یہی حال حقیقی زندگی کا بھی ہے۔ اب تک کی تحقیق کے بعد جب انٹرویو لیے گئے تو کم و بیش تمام کا یہی کہنا تھا کہ اساتذہ کا رویہ قابل قبول رہا جواب دہندہ کا کہنا ہے کہ: ''بعض اساتذہ کا رویہ تلخ ضرور تھا مگر زیادہ تر اساتذہ میرے لیے بے حد معاون ثابت ہوئے۔''(۱۰)

خواجہ سرا نے اپنی تعلیمی زندگی میں اساتذہ کے رویے کا ذکر کیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کچھ اساتذہ کا رویہ ان کے ساتھ تلخ اور ناپسندیدہ تھا، جو ان کے لیے مشکلات کا باعث بنا۔ ان اساتذہ نے شاید ان کے ساتھ مناسب سلوک نہیں کیا، اور ان کے لیے تعلیمی ماحول کو سخت اور ناخوشگوار بنا دیا۔ تاہم، خواجہ سرا یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ زیادہ تر اساتذہ ان کے لیے بہت معاون اور مددگار ثابت ہوئے۔ ان اساتذہ نے ان کی حمایت کی، انہیں سیکھنے کے مواقع فراہم کیے، اور انہیں آگے بڑھنے میں مدد دی۔ یہ اساتذہ ان کی زندگی میں مثبت کردار ادا کرنے والے تھے، جنہوں نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں اعتماد دیا کہ وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں۔

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ سرا کی تعلیمی زندگی میں دونوں طرح کے تجربات رہے۔ ایک طرف، انہیں کچھ اساتذہ کی طرف سے تلخی اور ناپسندیدگی کا سامنا کرنا پڑا، لیکن دوسری طرف، زیادہ تر اساتذہ نے ان کی مدد کی اور انہیں آگے بڑھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح، ان کی تعلیمی زندگی میں مثبت اور منفی دونوں قسم کے تجربات شامل ہیں، لیکن انہوں نے اساتذہ کی معاونت کی قدر دانی کی ہے۔

ہر ادارے میں اچھے برے دونوں طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں اسی طرح اساتذہ کے حوالے سے بات کی جائے تو خواجہ سرا کے مطابق انہیں اچھے برے دونوں اساتذہ کا سامنا رہا مگر بیشتر نے معاونت ہی کی۔

٦۔ نظام تعلیم:

ہمارے معاشرے میں خواجہ سراؤں کی تعلیم کی بے حد کمی ہے۔ نظام تعلیم کو موثر بنانے کے لیے ایک خاص پالیسی تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔ جس میں خواجہ سراؤں کو بھی شامل کرنا چاہیے۔ بے شمار خواجہ سراؤں کی تعلیم سے دوری کا سبب ناقص تعلیمی نظام ہے۔ مخنث افراد کو ان کی شناخت کے سبب سکول کالجز میں داخلے کے حوالے سے اکثر دشواریوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ تمام انٹرویوز میں بھی اسی قسم کی گفتگو زیر بحث رہی کہ انہیں اپنی جنسی شناخت کے موجب داخلہ لینے میں بہت اکٹھن مراحل سے گزرنا پڑا۔ ان کے لیے سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کوئی خاص نشست مخصوص نہیں کی جاتی ہے۔ اکثر والدین بھی اس بات کے حق میں نہیں کہ زنخا افراد ان کے بچوں کے ہمراہ تعلیم حاصل کریں۔ اس کی بہترین مثال ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں ملتی ہے۔ جب نور کی والدہ اس کے داخلے کے سلسلے میں سکول پرنسپل سے گفتگو کرتی ہیں تو ان کے مابین ہونے والے بحث و مباحثے سے اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں خواجہ سرا افراد کو تعلیمی مواقع فراہم کرنے میں کوتاہی برتی جاتی ہے اور انہیں یہ حق نہیں دیا جاتا کہ وہ بھی معاشرے کے لیے فعال کردار ادا کر سکیں۔

ڈراما "خدا میرا بھی ہے" سے لیا گیا اقتباس ملاحظہ ہو:

"پرنسپل: ماہ گل یہ ہاسپٹل کا سرٹیفیکیٹ تو کچھ اور ہی بتا رہا ہے نور کا جینڈر کلیئر نہیں ہے I .....mean

ماہ گل: آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں نور کا جینڈر Specific نہیں ہے۔

پرنسپل: آئی ایم سوری آپ بہت بہادر ماں ہیں لیکن میں نور کو یہاں ایڈمیشن نہیں دے سکتی۔

پرنسپل: آئی ایم سوری میں اسے ابھی یہاں ایڈمٹ Admit نہیں کر سکتی مجھے بورڈ سے بات کرنی ہو گی۔"(۱۱)

اس اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک ماں اپنے زنخا بچے کے داخلے کے سلسلے میں جب ایک تعلیمی ادارے پہنچتی ہے تو اسے یہ کہہ کر واپس بھیج دیا جاتا ہے کہ ہمارے ہاں ایسے بچوں کے لیے جگہ موجود نہیں ہے۔ ہم ان بچوں کو اپنے سکول میں داخلہ دیتے ہیں جن کی شناخت واضح ہو۔ دراصل یہ اقتباس اس بات کی دلیل دیتا ہے کہ خواجہ سراؤں کو تعلیمی معاملے میں بہت سی دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ انہیں سکول، کالجز میں داخلے کی اجازت بھی نہیں دی جاتی ہے۔ بے حد تگ و دو کے بعد اگر داخلہ مل بھی جائے تو ان کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

تعلیم حاصل کرنے کے لیے خواجہ سرا طبقے کو بے حد اذیتوں سے گزرنا پڑتا ہے نظام تعلیم کو بہتر بنانے کے لیے پالیسی تشکیل دینے کے سلسلے میں دور حاضر میں دیگر مخنث افراد سرگرم عمل ہیں سارا گل نامی خواجہ سرا بھی اس سلسلے میں اقدامات اٹھانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں خواجہ سراؤں کا کہنا ہے کہ حکومتی سطح پر ہمارے طبقے کی تعلیمی مشکلات کے حوالے سے پالیسی تشکیل دی جانی چاہیے مخنث افراد کا بغیر کسی امتیاز کے داخلہ کیا جانا چاہیے۔

۷۔ جنسی مسائل کا شکار:

انسان کی زندگی میں مشکلات حد سے بڑھ جائیں تو وہ ذہنی الجھاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مایوسی ناامیدی جیسے جذبات و محسوسات کا غلبہ ان پر چھایا رہتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خواجہ سرا طبقہ جنہیں کبھی قبولیت کا درجہ نصیب ہی نہیں ہوا، یہاں تک کہ ان کے سگے والدین ان سے منہ موڑ لیتے ہیں وہ ان مسائل کا شکار نہ ہو۔ ذہنی الجھاؤ کا شکار وہ جس قدر حقیقی زندگی میں دکھائی دیتے ہیں۔ اتنے ہی ڈراموں میں بھی دکھائے گئے ہیں۔ خاص طور پر ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں اکثر مقامات پر دیکھا جا سکتا ہے کہ نور کو ذہنی کشمکش کا سامنا رہتا ہے۔ کبھی جنسی شناخت کے حوالے

سے، تو کبھی رشتوں کی ناچاکی کے سبب۔ ذہنی صحت کے مسائل سماجی تنہائی امتیازی سلوک اور تشدد کے موجب جنم لیتے ہیں۔ حقیقی زندگی میں بھی انہیں بہت سی مشکلات درکار ہوتی ہیں۔ ہسپتالوں میں علاج کے معاملے میں دشواری کا شکار رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے لیے مخصوص ادارے یعنی این جی او قائم کیے جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں لیے گئے انٹرویو میں ایک خواجہ سرا کا کہنا تھا جو کہ بطور ڈاکٹر وہاں ملازمت پیشہ تھا:

''بہت سے خواجہ سرا یہاں علاج کے سلسلے میں آتے ہیں۔ دیگر ہسپتالوں میں علاج کروانے سے وہ کتراتے ہیں۔ اسی سبب ان کے لیے این جی او جیسے ادارے قائم کیے جاتے ہیں۔''(۱۲)

خواجہ سراؤں کو جنسی حوالے سے بہت سی مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔ اس اقتباس میں ایک بے حد حساس پہلو بیان کیا گیا ہے کہ خواجہ سرا طبّی مسائل کے سلسلے میں ہسپتال جانے سے کتراتے ہیں۔ ان کے لیے کوئی ایسا مخصوص ادارہ یعنی ان کی صحت کی دیکھ بھال کے حوالے سے ایک ایسا ادارہ قائم ہونا اشد ضروری ہے۔ جس میں وہ بآسانی علاج معالجے کے لیے جا سکیں۔ ہماری روزمرہ زندگی میں بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے کہ خواجہ سرا کبھی ہسپتال کسی طبّی معائنے کے سلسلے میں آئے ہوں۔ اس تحقیق کے دوران معلوم ہوا کہ ان کے جنسی مسائل کے حل کے لیے بعض تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ مگر ان کے لیے وسائل بہت محدود ہیں۔ اس لیے خواجہ سرا جنسی مسائل کی مشکل سے نکلنے کے لیے مختلف قسم کے وسائل مہیا کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ اس طرح خواجہ سرا ذہنی الجھن کا شکار رہتے ہیں۔ ایک اہم پہلو نفسیات سے متعلق بھی سامنے ابھر کر آتا ہے۔ جب خواجہ سراؤں کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کیا جاتا ہے تو وہ ذہنی طور پر ایک کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ نفسیاتی معالج کے پاس جانے سے بھی کتراتے ہیں۔ جس کے سبب وہ مزید پریشانیوں میں گھیر جاتے ہیں۔ ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں نور نامی خواجہ سرا کو بھی بعض مقامات پر اسی نوعیت کے مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ جس سے نکلنے کے لیے اس کی والدہ اس کے لیے بے حد معاون ثابت ہوتی ہیں۔

۸۔ حقوق کی عدم دستیابی:

خواجہ سراؤں کی اکثریت کو سڑکوں پر بھیک مانگتے، ناچتے گاتے پایا گیا ہے۔ پاکستانی معاشرہ انہیں ہم جنس پرست ہونے کا الزام دیتے ہوئے باعثِ شرمندگی قرار دیتے ہیں۔ مخنث افراد کو فحاشی پھیلانے والوں کی فہرست میں اول درجے پر رکھا جاتا ہے جبکہ سماج میں رہتے ہوئے انہیں اس قدر حراساں کیا جاتا ہے۔ جس کے سبب وہ باعزت طور پر کمائی نہیں کر پاتے۔ انہیں اپنی ضروریات کے لیے کام کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ ان کی حق تلفی کی جاتی

ہے۔ قانونی طور پر انہیں شناخت نہیں دی جاتی۔ پاکستان کی دیگر شہریوں کی نسبت خواجہ سراؤں کو حقوق اور تحفظات کا حقدار نہیں مانا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر خواجہ سراؤں سے بد سلوکی سے پیش آیا جاتا ہے۔ ان کا استحصال کیا جاتا ہے۔ انتظامیہ ہر سطح پر ان کی حوصلہ شکنی کرتی ہے۔ اس ساری صورتحال کو ڈراموں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ منتخب کیے گئے ڈراموں میں تعلیمی پیشہ ورانہ سطح پر اور صنفی شناخت جیسے مسائل کی پیش کش سے ثابت ہوتا ہے کہ اس طبقے کے حقوق کو ذرا برابر اہمیت نہیں دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کو والدین کی جائیداد میں بھی حقدار نہیں ٹھہرایا جاتا، انہیں گھر سے بے دخل کر دیا جاتا ہے۔ جس کے باعث وہ اپنے حقوق کو حاصل کرنے سے قاصر ہوتے ہیں اور گرو کے ہمراہ رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ایسے ہی صورتحال ڈراما "الف اللہ اور انسان" میں پیش کی گئی ہے۔ جب شاموا اپنے گرو کے ساتھ رہتا ہے اور وہ بھیک مانگنے سے تنگ آ کر باعزت روزی کمانا چاہتا ہے تو اس کے جواب میں گرو کا کہنا ہے کہ ہمیں باعزت طریقے سے زندگی گزارنے کا حق اس سماج نے نہیں دیا۔ ہم صرف سڑکوں پر بھیک مانگنے، تالیاں پیٹنے اور ناچ گانا کرنے کے لیے بنے ہیں۔

اس سلسلے میں لیے گئے انٹرویوز میں سے ایک جواب دہندہ کا کہنا تھا کہ :

> ''آج کے دور میں ہمارے حقوق مکمل طور پر تو نہیں مگر کسی حد تک پورے کیے جا رہے ہیں لیکن جب ہمارے مقابل کوئی دوسری جنس یعنی مرد اور عورت موجود ہوں، تو زیادہ اہمیت انہی کو دی جاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہمارے حقوق باقاعدہ طور پر ادا نہیں کیے جاتے۔''(۱۳)

یہ اقتباس اس پہلو کی نشاندہی کرتا ہے کہ خواجہ سراؤں کو اس دور میں بھی بنیادی انسانی حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ خواجہ سرا کا کہنا ہے کہ بعض ایسے ادارے وقوع پذیر ہو رہے ہیں جو ہمارے حقوق اور فلاح و بہبود کے لیے کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے حقوق مکمل طور پر ادا کیے جا چکے ہیں۔ ابھی بھی بہت سے معاملات میں خواجہ سرا طبقے کو پیچھے رکھا جاتا ہے۔ انہیں آگے بڑھنے ہی نہیں دیا جاتا۔ جہاں کہیں موقع ملے ان کی تذلیل کی جاتی ہے۔ تعلیمی سطح پر ہو، ملازمت کے دوران یا پھر گھریلو معاملات یعنی خاندان کے رویے سے متعلق پہلو ہوں، ان کو ذلیل و رسوا ہی کیا جاتا ہے۔ ان کی تعلیم سے متعلق کسی قسم کے ادارے قائم نہیں کیے گئے۔ ہاں البتہ آج کے دور میں سندھ کے علاقے میں ایک ایسا سکول قائم کیا گیا ہے۔ جس کے سربراہ بھی خواجہ سرا ہیں اور وہاں تعلیم بھی خواجہ سراؤں کو ہی دی جائے گی۔ حقوق کی ادائیگی کے حوالے سے بہت سی تنظیمیں سرگرم عمل دکھائی دیتی ہیں۔ جن کا مقصد معاشرے کو یہ باور کرانا ہے کہ خواجہ سراؤں کو بھی مرد اور عورت کے برابر حقوق مہیا کیے جائیں۔

اگر والدین اپنی زنخا اولاد کو اپنے ساتھ رکھنے کی قائل نہیں تو اسے جائیداد میں سے برابر کا حق دیا جائے۔ ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں نور خواجہ سرا کے والد اسے اپنا نام تک دینے سے قاصر ہیں۔ خواجہ سراؤں کی روزمرہ زندگی اور منتخب ڈراموں میں پیش کی گئی زندگی میں بنیادی حقوق کی عدم دستیابی مشترکہ امر ہے۔ جس کے پیش نظر مخنث افراد کو زندگی میں بے شمار مشکلات کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

ب۔ حقیقی اور منتخب ٹی وی ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کے افتراقات کا جائزہ:

۱۔ماں کی ممتا اور خواجہ سرا:

ایک ایسا ممتا بھرا رشتہ جس کا کوئی متبادل نہیں وہ "ماں" ہے۔ ماں کی محبت اپنے بچے کے لیے ایک سایہ دار شجر کی صورت ہوتی ہے۔ جس کا ہر انسان حقدار ہوتا ہے یہاں ذکر ان افراد کا ہو رہا ہے جو اس رشتے سے دور ہونے پر مجبور ہوتے ہیں۔ انہیں مجبور کرنے والا یہی سماج ہے یہ طبقہ خواجہ سراؤں کا ہے۔ ان کے والدین انہیں خود سے دور کر دیتے ہیں۔ خواجہ سراؤں کو ماں کی ممتا سے محروم رکھتے ہوئے ان کے باپ یا یوں کہیں تو بے جا نہ ہو گا کہ والدین انہیں معاشرے کے سبب خود سے دور گرو کے حوالے کراتے ہیں۔ منتخب ڈراموں اور حقیقت میں ان کی زندگی کے افتراقات کو دیکھا جائے تو فرق اس صورت میں واضح ہے کہ ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں ماں اپنے مخنث بچے کی خود کفالت کرتی دکھائی گئی ہے۔ ایک ماں کو اپنی زنخا اولاد کی خاطر اپنے تمام رشتوں نعتوں سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے۔ والد کے بچے کو قبول نہ کرنے کے باوجود اس کی ہر ممکن مشکل دور کرتی ہے۔

ڈراما "خدا میرا بھی ہے" سے لیا گیا اقتباس غور طلب ہے:

"ڈاکٹر: تمہارے ذہن میں الجھن کیا ہے؟

ماہ گل: یہ میری اولاد ہے اور وہ شاید لوگوں کے لیے نارمل نہیں ہے لیکن ہوں تو میں اس کی ماں تو میں اس کو Accept کیوں نہیں کر سکتی؟ سمجھ رہی ہو؟

ڈاکٹر: تو تم کیا چاہتی ہو؟

ماہ گل: مجھے پتہ ہے کہ کیوں نہیں ایکسیپٹ کرنے دے رہا کوئی۔

ڈاکٹر: تو ایکسیپٹ کر لو لیکن تم جانتی ہو نا کہ کتنا کٹھن راستہ چن رہی ہو تم۔

ماہ گل: جانتی ہوں اور تیار ہوں۔"(۱۴)

اس اقتباس میں ماں کی محبت بھرپور انداز میں دکھائی دے رہی ہے کہ وہ اپنے تمام رشتوں سے منہ موڑ سکتی

ہے۔ وہ بھی صرف اپنی اولاد کی خاطر جو کہ ایک خواجہ سرا ہے جبکہ حقیقی زندگی میں ان افراد کی مائیں اپنے مخنث بچوں کی پرورش خود کرنا چاہتی ہیں مگر معاشرے کے دباؤ میں آنے کے سبب ان میں اتنی جرات اور ہمت نہیں کہ وہ اس قسم کے فیصلے کر سکیں بالآخر انہیں اپنے زنخا اولاد کو خود سے دور کرنا پڑتا ہے۔ تحقیقی مراحل کے دوران لیے گئے انٹرویوز کے تمام جواب دہندگان کا یہی کہنا تھا کہ ان کے والدین نے انہیں قبول نہیں کیا۔ کوئی یہ کہتا سنائی نہیں دیا گیا کہ اس کی ماں رکھنا چاہتی تھی یا والد اسے معاشرے سے بچا کر اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ اس طرح ثابت ہوا کہ خواجہ سراؤں کی ماں کے کردار کو ڈراموں میں مثبت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

۲۔ گرو اور خواجہ سرا چیلا:

ہمارے معاشرے میں خواجہ سرا زیادتیوں کا شکار ہونے کے باعث کسی پر اعتبار نہیں کرتے۔ یہ درست ہے کہ والدین کے بعد گرو ہی خواجہ سراؤں کا واحد سہارا ہوتے ہیں۔ وہ بدنصیب خواجہ سرا جن کو ان کے والدین گرو کے سپرد کر آتے ہیں۔ ان کے لیے رہنے کا واحد ٹھکانہ گرو کا مکان ہی ہوتا ہے۔ بعض خواجہ سرا تو گھر کے ماحول معاشرتی دباؤ اور ہر جگہ سے تنقید ملنے کی وجہ سے خود ہی گرو کے پاس چلے جاتے ہیں۔ ابتدائی دنوں میں ان کی خوب آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ ان کے لاڈ پیار میں کمی آنے لگتی ہے۔ انہیں کمائی کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ انہیں لڑکیوں کی طرح سجنا سنورنا سکھایا جاتا ہے۔ ڈانس کرنا جیسے مختلف ہنر سکھائے جاتے ہیں۔ ان تمام تربیتی مراحل کے بعد انہیں پیسہ کمانے کو کہا جاتا ہے۔ ان کو چونکہ دیگر محکمہ جات میں ملازمت کے واقف فراہم نہیں کیے جاتے۔ اس لیے انہیں بھیک مانگ کر یا ناچ گانا اور فحاشی کے ذریعے پیسہ حاصل کرنا پڑتا ہے۔ یہ تمام آمدنی خواجہ سرا اپنے گرو کو سونپ دیتا ہے۔ گرو اس کمائی کو اپنا حق سمجھتا ہے۔

آیانہ نامی خواجہ سرا نے انٹرویو کے دوران اس معاملے میں کچھ اس انداز میں تبصرہ کیا کہ:

> ''مجھے جب گھر سے نکال دیا گیا تو میں شہر آ گیا یہاں مجھے ایک گرو کے پاس پہنچا دیا گیا۔ میں اس کا چیلا بن گیا، اس نے مجھے بدفعلی کے لیے بھی استعمال کیا، ناچنا گانا سکھایا، یہاں تک کہ اس نے مجھے کسی اور کے ہاتھ فروخت بھی کیا۔ یہ سب میرے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔''(۱۵)

یہ اقتباس ایک خواجہ سرا کی زندگی کے دردناک تجربات کی عکاسی کرتا ہے، جس میں اس کے ساتھ ہونے والے ظلم و ستم اور ناانصافیوں کا ذکر ہے۔

اس کہانی میں، خواجہ سرا کو اپنے گھر سے نکال دیا جاتا ہے، شاید اس کی شناخت یا معاشرتی دباؤ کے باعث۔ گھر چھوڑنے کے بعد وہ شہر پہنچتا ہے، جہاں اسے ایک گرو (یعنی خواجہ سراؤں کے گروپ کا سربراہ) کے پاس پہنچا دیا جاتا

ہے۔ یہ گرو اس کے لیے مددگار ہونے کی بجائے اسے اپنے ذاتی فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

گرو اسے "چیلا" یعنی شاگرد بناتا ہے، لیکن اس رشتے میں بھی زیادتی اور استحصال شامل ہوتا ہے۔ گرو اسے بدفعالی یعنی جنسی استحصال کے لیے استعمال کرتا ہے، جو کہ انتہائی تکلیف دہ اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مزید برآں، گرو اس خواجہ سرا کو ناچ گانا سکھاتا ہے، جو بظاہر اسے روزگار دینے کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے، لیکن درحقیقت یہ بھی اس کے استحصال کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ تکلیف دہ لمحہ وہ ہوتا ہے جب گرو اسے کسی اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس خواجہ سرا کو محض ایک چیز کی طرح سمجھا گیا، جس کی کوئی ذاتی مرضی یا انسانی حقوق نہیں ہیں۔ یہ تمام تجربات اس کے لیے بہت تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتے ہیں۔ اس کہانی کے ذریعے، ہم خواجہ سراؤں کی زندگی کے ان تاریک پہلوؤں کو دیکھتے ہیں جو عام طور پر پوشیدہ رہتے ہیں۔ یہ کہانی ان کے ساتھ ہونے والے ظلم و استحصال کی تصویر کشی کرتی ہے، اور معاشرتی ناہمواریوں اور ناانصافیوں کی نشاندہی کرتی ہے، جن کا سامنا وہ اکثر کرتے ہیں۔

اگر ہم اس سلسلے میں منتخب ڈراموں پر نظر ثانی کریں تو وہاں گرو کا ایک مثبت پہلو دیکھنے کو ملتا ہے جو کہ حقیقت سے قدر مختلف ہے۔ ایسا نہیں کہ گرو کا رویہ ہمیشہ روز مرہ زندگی میں منفی ہی رہا ہے، بلکہ بعض اچھے بھی ہوتے ہیں۔ مگر تحقیق کے دوران لیے گئے انٹرویوز میں زیادہ تر ڈراموں میں دکھائے گئے گرو کے کردار سے مختلف ہی پائے گئے۔

۳۔ خواجہ سرا اور بددعا:

خواجہ سراؤں کے حوالے سے مشہور ہے کہ ان کی بددعا بے حد اثر رکھتی ہے اور یہ اسی صورت ممکن ہوتا ہے، جب ان کو ناحق ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کی جائے۔ راہ چلتے ہر مخنث فرد کی بددعا کا اثر ہونے لگے تو کوئی بھی اپنی زندگی میں کامیاب نہ ہو پائے گا۔ ڈراموں میں یہی سب دکھایا گیا ہے کہ خواجہ سرا شامو نازی بی بی ملکائن کی بیٹی کو بددعا دیتا ہے جس کے سبب اسے زندگی میں بے شمار تکالیف و صعوبتوں کا شکار ہونا پڑتا ہے مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو خواجہ سراؤں کا کہنا ہے کہ اگر ہماری بددعا کارگر ہوتی تو ہم خود کے لیے دعائیں کر کے مکمل عورت کا روپ دھار لیتے۔ یہ سب توہمات اور ضعیف الاعتقادی جیسے رویے ہیں۔ جن کو ہمارے معاشرے میں پھیلایا جا رہا ہے اور اس میں سب سے اہم کردار ہمارا سماج ادا کرتا ہے۔

سیف الرحمن کی کتاب درمیانے سے لیا گیا اقتباس قدر غور طلب ہے کہ :

''ہر معاشرے میں اچھے برے لوگ موجود ہیں، اسی طرح کھسروں میں بھی اچھے برے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی اچھے اور نیک کھسرے کی بد دعا کسی کو لگ گئی ہو۔ لیکن ایسا ممکن نہیں کیونکہ نیک اور پارسا کھسرا کسی کو بد دعا نہیں دے سکتا۔''(۱٦)

یہ اقتباس اس بات کو بیان کرتا ہے کہ جیسے ہر معاشرے میں اچھے اور برے لوگ ہوتے ہیں، ویسے ہی خواجہ سرا (کھسرے) برادری میں بھی مختلف قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کسی نیک دل خواجہ سرا کی بد دعا کسی پر اثر کر جائے، لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوتا کیونکہ جو خواجہ سرا نیک اور پرہیز گار ہوتا ہے، وہ کسی کو بد دعا نہیں دیتا۔ اس کی فطرت میں دوسروں کے لیے برا سوچنا نہیں ہوتا۔ یہاں یہ پیغام دیا جا رہا ہے کہ نیک لوگ، چاہے وہ کسی بھی طبقے یا برادری سے تعلق رکھتے ہوں، دوسروں کے لیے اچھائی کی دعا کرتے ہیں اور بد دعا سے دور رہتے ہیں۔ یہ تمام باتیں لوگوں کے پھیلائے ہوئے مفروضے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ بد دعا اثر نہیں کرتی مگر یہ بات بھی درست ہے کہ اگر کسی بھی انسان خواہ وہ مرد ہو عورت ہو یا خواجہ سرا ان کو بے جا تکلیف دی جائے گی تو ان کی آہ فرش تلک جائے گی۔

٤۔ زبان کا استعمال:

کچھ عرصہ قبل کھسروں نے "ف" کی زبان ایجاد کی۔ اس کے بعد "م" کی اسی طرح خواجہ سراؤں کی اصل زبان پر تبصرہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ سرا اپنی زبان "فارسی چانڈ" کا اکثر و بیشتر محفلوں میں استعمال کرتے ہیں۔ انٹرویوز کے دوران زیادہ تر کا یہی موقف تھا کہ ہم اس کا استعمال اپنی محفلوں میں زیادہ کرتے ہیں جبکہ ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زبان کے حوالے سے کوئی پہلو سامنے نہیں لایا گیا۔ سب ایک ہی زبان بولتے دکھائی گئے ہیں جو کہ اردو زبان ہے، البتہ لہجے کا فرق ایک ہی ڈرامے میں دیکھا جا سکتا ہے۔

٥۔ رہائشی مسائل:

گھر سے دربدر ہونے کے بعد خواجہ سراؤں کو رہائش کے مسائل درپیش ہوتے ہیں۔ عزیز و اقارب ہوں یا دوست احباب سب منہ موڑ لیتے ہیں۔ جہاں بھی رہائش پذیر ہوں۔ لوگ انہیں تنگ کرتے ہیں، چھیڑتے ہیں اور ان کے لیے وہاں رہنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ وہاں کے مکین خواجہ سراؤں کا جینا محال کر دیتے ہیں۔ خواجہ سراؤں کو خاندان کے بعد دوسرا اہم مسئلہ رہائش کا لاحق ہے مکان حاصل کرنا خواجہ سراؤں کے لیے بے حد دشوار ہوتا ہے۔ یہ طبقہ کسی کے گھر پر کرائے دار کی حیثیت سے رہائش اختیار کرنے سے قاصر ہے۔

انٹرویو لیتے ہوئے خواجہ سرا نے رہائش سے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں بتایا کہ :

''رہائش کے حوالے سے بے شمار مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ بعض جگہ پر مالک مکان تنگ کرتے ہیں اور بعض جگہ پر اڑوس پڑوس تنگ کرتے ہیں۔''(۱۷)

اگر کہیں کسی خواجہ سرا کو مکان کرائے پر دینا پڑ بھی جائے تو انہیں قیمت دگنی بتائی جاتی ہے۔ معاشرے کے عام افراد انہیں اپنی کمیونٹی میں رہنے کی اجازت نہیں دیتے مگر منتخب ڈراموں میں رہائش کے سلسلے میں کسی قسم کی دشواری دیکھنے کو نہیں ملتی جیسا کہ ڈراما "الف اللہ اور انسان" میں شامو کے استاد اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ دیگر منتخب ڈراموں میں بھی خواجہ سراؤں کی رہائش کے معاملے میں کسی دشواری کو سامنے نہیں لایا گیا البتہ یہ ضرور دکھایا گیا ہے کہ گھر میں موجود ہوتے ہوئے بہت سی مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔

٦۔ معاشی بدحالی:

خاندان صحت رہائش اور تعلیم کے بعد اب روزگار کے مسائل پر بات کی جائے گی اور ڈراموں میں پیش کیے گئے مسائل کی مدد سے اس میں فرق کو واضح کیا جائے گا۔ دراصل روزگار ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ خواجہ سراؤں کو اس میدان میں بھی محرومی نصیب ہوتی ہے۔ انہیں اکثر بھیک مانگتے ناچ گانا کرتے اور فحاشی کا کام کرتے ہی دکھایا گیا ہے۔ تعلیم کی کمی کے باعث ان کے لیے ملازمت اختیار کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ان کی ذہانت ہنر اور صلاحیتوں کو نظر انداز کر کے صرف یہی یاد رکھا جاتا ہے کہ یہ طبقہ بد فعلی کرتا ہے۔ ناچ گانا ان کا پیشہ ہے۔ جس کے سبب انہیں ملازمت کے مواقع فراہم کرنا ہمارا سماج گوارا نہیں کرتا حکومتی سطح پر تو خواجہ سراؤں کو مسلسل نظر انداز ہی کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی عام شہری بھی انہیں وہ مقام و مرتبہ نہیں دیتے جن کے وہ حقدار ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ طبقہ جسم فروشی کے دھندے میں ملوث ہو جاتا ہے۔ عام زندگی میں خواجہ سراؤں کو معاشی تحفظ فراہم نہیں کیا جاتا۔

دریچہ ہیلتھ سوسائٹی میں کام کرنے والے ایک خواجہ سرا کا کہنا تھا کہ :

''میں نے جہاں بھی ملازمت اختیار کی مجھے جلد ہی نکال دیا جاتا تھا ان کا کہنا تھا کہ اپ کا چال چلن مناسب نہیں ہم اپ کو کام پر نہیں رکھ سکتے جبکہ میں ہر لحاظ سے بہتر تھا اس نوکری کے لیے۔''(۱۸)

خواجہ سرا کی زندگی کے اس پہلو کو بیان کرتا ہے جو ان کے لیے پیشہ ورانہ زندگی میں مشکلات اور ناانصافیوں کی عکاسی کرتا ہے۔ اس اقتباس میں خواجہ سرا کا تجربہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ جہاں بھی ملازمت اختیار کرتا، اسے جلد ہی

نکال دیا جاتا تھا، حالانکہ وہ اس ملازمت کے لیے مکمل طور پر اہل تھا۔

ملازمت سے نکالے جانے کی وجہ کے طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ اس کے "چال چلن ٹھیک نہیں ہیں"، جو کہ ایک غیر واضح اور عمومی الزام ہے۔ یہ جملہ دراصل معاشرتی تعصبات اور خواجہ سراؤں کے خلاف موجود منفی خیالات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ "چال چلن" کے حوالے سے یہ الزام اس بات کا اشارہ ہے کہ خواجہ سرا کی شناخت یا طرز زندگی کو سماجی طور پر قبول نہیں کیا جاتا، اور اسی بنیاد پر اسے مسترد کیا جاتا ہے۔

اس اقتباس کی وضاحت میں، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ سرا کو ان کے پیشہ ورانہ صلاحیتوں یا محنت کی بنیاد پر نہیں، بلکہ ان کے طرز زندگی یا شناخت کی بنیاد پر جج کیا جاتا ہے۔ اس کی قابلیت اور اہلیت کو نظرانداز کر کے، انہیں معاشرتی تعصبات کی بنیاد پر ملازمت سے نکال دیا جاتا ہے۔

یہ کہانی اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہے کہ خواجہ سراؤں کو صرف ان کی شناخت کی وجہ سے کس طرح کے تعصبات اور امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چاہے وہ اپنے کام میں کتنے ہی قابل کیوں نہ ہوں۔ یہ ایک معاشرتی مسئلے کی نشاندہی کرتا ہے، جہاں معاشرہ ایک خاص طبقے کے لوگوں کو مساوی مواقع دینے میں ناکام رہتا ہے، اور ان کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک روا رکھتا ہے۔

اب اگر منتخب ڈراموں پر نظر ڈالی جائے تو دیکھا جا سکتا ہے کہ ملازمت کے سلسلے میں خواجہ سراؤں کو زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں ہے جیسے کہ ڈراما خدا میرا ابھی ہے اور سر راہ میں دونوں خواجہ سراؤں کا لاعہدے پر فائز دکھایا گیا ہے جبکہ الف اللہ اور انسان میں قدر مختلف مگر تھوڑی بہت مشقت اور ارادے کی پختگی کے بعد ملازمت یافتہ خواجہ سرا دیکھا جا سکتا ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ ملازمت کے معاملے میں حقیقی زندگی اور ڈراموں میں فرق رکھا گیا ہے۔

مجموعی طور پر بات کی جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے معاملات میں مشابہت کے ساتھ ساتھ افتراق بھی پایا جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی لغت، الحمر پبلشنگ اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص ۳۳۴

۲۔امبر، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱ اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۳۔آیانہ، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱ اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۴۔قیصرہ حیات، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، الف اللہ اور انسان، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، ۱ مارچ ۲۰۲۴ء، 8:00 PM

۵۔آیانہ، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱ اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۶۔سیف الرحمن رانا، درمیانے: تحقیق وتدوین، لاہور، برائے: نگارشات پبلشرز، ۲۴-منرنگ روڈ، ۲۰۱۲، ص ۱۸۹

۷۔آیانہ، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱ اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۸۔ایضاً

۹۔عدیل رزاق، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، سر راہ، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، ۲ مارچ ۲۰۲۴ء، 7:30 PM

۱۰۔امبر، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱ اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۱۱۔اسماء نبیل، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، خدا میرا بھی ہے، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، ۱ مارچ ۲۰۲۴ء، 8:30 PM

۱۲۔آیانہ، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱ اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۱۳۔شیلا رانی، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱ اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۱۴۔اسماء نبیل، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، خدا میرا بھی ہے، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، ۱ مارچ ۲۰۲۴ء، 8:30 PM

۱۵۔آیانہ، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱ اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

۱۶۔ سیف الرحمن رانا، درمیانے: تحقیق وتدوین، لاہور، برائے: نگار شات پبلشرز، ۲۴-منرنگ روڈ، ۲۰۱۲، ص۱۸۸
۱۷۔ امبر، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱ اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن
۱۸۔ آیانہ، (انٹرویو) مکالمہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، ۱۱ اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

باب چہارم:

ماحصل

الف۔ مجموعی جائزہ:

خواجہ سراؤں کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں مخنث افراد کی صورتحال غیر انسانی ہے ان کے حقوق کو پورا کرنا سماج اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا منتخب کیے گئے تین ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کے متفرق پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے ہر ڈرامے میں الگ طرز انداز دیکھنے کو ملتا ہے ڈراما الف اللہ اور انسان میں گرو کا کردار روزگار کی تلاش رہائش کیا بندوبست خواجہ سرا کا میک اپ ارٹسٹ بننے سے پہلے لوگوں کا برتاؤ جیسے مسائل کو بعض مقامات پر مثبت تو اکثر جگہوں پر منفی طریقے کے طور پر دکھایا گیا ہے شامو محبت سے محروم مگر اپنی محبت کی خاطر نہ چکانا چھوڑنے کو راضی ہوتا ہے تعلیم سے دور ہونے کے سبب حجامت کا پیشہ اختیار کر لیتا ہے اور پوری لگن اور اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے دیگر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے ابتدا میں خواجہ سرا شامو کو معاشرے کے لوگوں سے طعنے ملتے ہیں اس پر جملہ بازی کی جاتی ہے اسے ہر موقع پر تذلیل کا نشانہ بنایا جاتا ہے مگر وہ ہمت نہ ہارتے ہوئے اپنے لیے ایک الگ پیشے کا انتخاب کر کے کامیابی حاصل کرتا ہے اور اس طرح وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ انہیں مناسب سہولیات فراہم کی جائیں تو یہ بھی معاشرے کے لیے فعال کردار ادا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہنے دیں گے ڈراما خدا میرا بھی ہے میں مکمل جدا انداز بیان پیش کیا گیا ہے ماں جو کہ اپنے مخنث بچے کی پرورش کرنا چاہتی ہے مگر خاندان کے دیگر افراد اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتے اس ڈرامے میں خواجہ سراؤں کی زندگی کے بہت سے پہلوں کی اکاسی کے ساتھ ساتھ ماں کی ممتا کو بھی زیر گفتگو لایا گیا ہے جو کہ ایک مثبت پہلو ہے مگر اس دوران ماں کی قربانیوں اور مشکلات کو نظر انداز نہیں کیا سکتا اس ڈرامے میں موجود خواجہ سرا نور کو درپیش مسائل پر روشنی ڈالی جائے تو اس میں مختلف قسم کی مشکلات سے نمٹنا پڑتا ہے پیدائش کے فورا بعد زنخا بچے کو گرو کے سپرد کرنے تعلیمی مسائل ذہنی الجھن سے دوچار ہونا دیگر بچوں کا خواجہ سرا بچے کے ساتھ امتیازی سلوک شادی بیاہ کے مسائل الغرض ان تمام پہلوؤں سے پردہ اٹھایا گیا ہے جو خواجہ سراؤں کو اکثر درپیش ہوتے ہیں بعض مقامات پر کچھ

مثبت پہلو بھی نظر سے گزرتے ہیں مگر مجموعی طور پر وہ تمام پہلو زیر غور ہیں جن کا خواجہ سراؤں کو اکثر سامنا رہتا ہے ڈراما سر راہ کا ذکر کیا جائے تو اس میں بہت قلیل مگر جامع انداز میں اس طبقے کو درپیش مسائل کا پردہ چاک کیا گیا ہے سب سے منفرد انداز سے ان افراد کے مسائل کو پیش کرتے ہوئے ان کی حاصل کی گئی کامیابی کا ذکر کیا گیا ہے منتخب ڈرامے میں مثبت پہلو باپ کا اپنے خواجہ سرا بچے کی پرورش کرنا ہے جو کہ ایک متفرق پہلو ہے جس کے ذریعے ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ اس طبقے کو قبولیت کی ضرورت ہے منتخب ڈراموں کے ذریعے ہمیں ان تمام تر حقائق سے اگاہی ملتی ہے جو خواجہ سرا طبقے کو درپیش ہیں جن کے سبب خواجہ سرا اگے بڑھنے سے قاصر ہیں منتخب ڈراموں کے ذریعے ہم خواجہ سرا کمیونٹی کی زندگی کے ان تمام مسائل سے شناسائی حاصل کر پاتے ہیں جن کا انہیں زندگی کے ہر موقع پر سامنا رہتا ہے مزید یہ کہ ان کے حقوق کے تحفظ کی فراہمی کے سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تمام منتخب کیے گئے ڈراموں میں خواجہ سراؤں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنے اپنے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اس تحقیق سے خواجہ سراؤں کے معاشرتی اور معاشی زندگی کے مسائل سے بھی شناسائی ہوئی خواجہ سراؤں کے حقوق ضروریات اور تجربات کے بارے میں پاکستانی معاشرے کو بہت کم علم ہے جو کہ امتیازی سلوک کا موجب بنتا ہے اس طبقے کو تعلیم ملازمت اور رہائش سمیت زندگی کے تمام شعبوں میں غیر منصفانہ رد عمل کا سامنا رہتا ہے ان کے ساتھ جسمانی اور زبانی بد سلوکی روا رکھی جاتی ہے اکثر معاشرے سے خارج اور الگ تھلگ رہنے پر مجبور دکھائے گئے ہیں یہ حقیقت ہے کہ انہیں معاشرے میں موجود دیگر شہریوں کی طرح حقوق فراہم نہیں کیے جاتے انہیں شہری ہونے کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے ہر معاملے میں چاہے خاندان ہو دوست احباب ہوں یا معاشرہ یہ ہمیشہ بے دخل کیے جاتے ہیں جس کے باعث وہ تنہائی افسردگی اور اضطراب کا شکار رہتے ہیں حقوق کی عدم دستیابی انہیں بد سلوکی اور استحصال کا شکار بناتی ہے ان تمام مشکلات کے بوجہ خواجہ سراؤں کو ذہنی صحت کے مسائل کا سامنا رہتا ہے خواجہ سراؤں کو معاشرتی اور معاشی حوالے سے ہر قسم کے مسائل کا سامنا رہتا ہے جن کے حل کے لیے ہمیں قدم بڑھانا ہو گا تاکہ اس طبقے کے حقوق پورے کیے جا سکیں۔

حقیقی زندگی میں خواجہ سراؤں کو جن دشواریوں کا سامنا رہتا ہے ان کا منتخب ڈراموں سے موازنہ مختلف

نکات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا گیا ہے جن میں معاشرتی مسائل تعلیمی سماجی اقتصادی مذہبی اور ثقافتی تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھا گیا ہے بہت سے معاملات میں اشتراک کے ساتھ ساتھ چند پہلو ایسے دیکھنے کو ملتے ہیں اگر ان کا جائزہ لیا جائے تو ان میں ماں کا کردار گرو اور چیلے کے باہمی تعلقات رہائشی مسائل روزگار کے مسائل خواجہ سراؤں کی مخصوص زبان کا استعمال ان کی دی ہوئی بد دعا کے اثرات جیسے مسائل میں بہت حد تک تفریق پائی جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ ہم اپنی تحقیق کے ذریعے خواجہ سرا طبقے کی زندگی کے متنوع پہلوؤں سے آگاہی حاصل کر چکے ہیں۔

تحقیق کا مقصد خواجہ سراؤں کو درپیش مسائل سے اگاہی فراہم کرنا ہے ہم مختلف سرگرمیوں کے ذریعے اس طبقے کے حقوق کے تحفظ کے لیے پالیسیاں اور مخصوص قسم کا لائے عمل تشکیل دے سکتے ہیں اگر ہم سب صنفی شناخت کی بھاگ دوڑ سے جدا ہو کر سوچیں تو مل کر ایک نئی دنیا تشکیل دے سکتے ہیں اس طبقے کے نچلی سطح کے مسائل سے متعلق علم کی تخلیق ابھی بھی اپنے ابتدائی مراحل میں ہے یعنی سماج اب بھی ان کے حقوق اور مسائل سے متعلق علم نہیں رکھتا ان کے لیے خواجہ سرا ہونا بہت بڑا مسئلہ ہے جو کہ افسوس ناک ہے یہ تحقیق اس سلسلے میں بے حد معاون ثابت ہوئی ہے کہ جس طرح ایک مرد کو اور عورت کو خدا نے پیدا کیا ہے خواجہ سرا بھی خدا ہی کی بنائی ہوئی ایک تخلیق ہے ہمارے معاشرے کو یہ باور کروانے کی ضرورت ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک ہی قسم کا رویہ اختیار کرنا چاہیے خواجہ سرا طبقے کو درپیش تمام مسائل اور صعوبتیں اس معاشرے کی پیدا کردہ ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارا معاشرہ ترقی کرنے سے قاصر ہے اس سلسلے میں تحقیق کے دوران ایک اور پہلو یہ بھی سامنے اتا ہے کہ معاشرے کے ساتھ ساتھ حکومت کی طرف سے بھی ان افراد کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے یہ تحقیق اس امر پر روشنی ڈالتی ہے کہ ہمیں اس طبقے کے افراد سے باہم بات چیت کے ذریعے ان کے تجربات اور انہیں درپیش مشکلات کا حل نکالنا ہو گا۔ خواجہ سراؤں کی حقیقی زندگی اور منتخب ڈراموں میں پیش کی گئی زندگی کے مسائل کے محرکات اور نوعیت جہاں مشابہت رکھتے ہیں وہیں ان میں کچھ فرق بھی پایا جاتا ہے جس کا مقصد اس امر سے متعلق اگاہی فراہم کرنا ہے کہ اگر ہم اس طبقے کو اہمیت دیں گے تب ہی یہ طبقہ اور ہمارا معاشرہ مل کر اس ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے فعال ثابت ہو سکے گا۔

ب۔ تحقیقی نتائج:

۱۔اس تحقیق سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ خواجہ سرا طبقے کو پاکستانی معاشرے میں سماجی ثقافتی سیاسی اور معاشرتی شراکت داری میں بے حد قلیل مواقع اور جگہ فراہم کی جاتی ہے انہیں الگ پھلک رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے جس کے سبب انہیں سماجی اداروں سے خاطر خواہ فوائد حاصل نہیں ہوتے مخنث افراد کو شہریت اور صنفی شناخت کے معاملے میں اپنی پہچان بنانے کا اختیار حاصل نہیں معاشرتی دباؤ کے باعث یہ طبقہ پسماندہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے ان کی بنیادی ضروریات بمشکل پوری ہو پاتی ہیں بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ انہیں اپنی بنیادی ضروریات کے لیے بہت سی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے انہیں تعلیم کے مسائل کے سبب ملازمت سے دوری اختیار کرنا پڑتی ہے۔

۲۔ تحقیق کے نتیجے میں ایک اہم پہلو یہ بھی سامنے آتا ہے کہ منتخب ڈراموں میں دکھائے گئے مسائل خواجہ سراؤں کی حقیقی زندگی کے مسائل کا ایک جز ہے۔یعنی خواجہ سراؤں کی زندگی کے بے شمار ایسے پہلو بھی ہیں جو کہ ہمیں ڈرامے میں دیکھنے کو نہیں ملتے ہیں۔ تحقیق میں محقق نے پوری کوشش سے اس طبقے کی زندگی کے تمام پہلوؤں سے پردہ اٹھایا ہے اور ان کا موازنہ منتخب ٹی وی ڈراموں میں پیش کیے گئے خواجہ سراؤں کے مسائل سے کیا گیا ہے۔

۳۔خواجہ سرا بھی دیگر انسانوں کی طرح جذبات و احساسات رکھتے ہیں۔ منتخب ڈراموں میں سے اکثر میں معاشرتی رویے کو موضوع زیادہ بنایا گیا ہے مگر ان کا مکمل احاطہ پیش نہیں کیا گیا۔خواجہ سراؤں کو نفسیاتی سطح پر بے شمار الجھنیں اور پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں۔ جن کا منتخب ٹی وی ڈراموں میں کہیں ذکر موجود نہیں ہے۔ کچھ اسی طرح ڈراما "خدا میرا بھی ہے" میں نور نامی خواجہ سرا کو ازدواجی تعلقات کے سلسلے میں جب یہ معلوم پڑتا ہے کہ وہ ایسا کرنے سے قاصر ہیں تو اس کے دکھائے گئے جذبات ہمیں اس پہلو سے آگاہی تو دیتے ہیں مگر اس قسم کے طبّی مسائل سے پردہ اٹھتا نہیں دکھائی دیا گیا ہے۔

٤۔منتخب ٹی وی ڈراموں میں سے اکثر میں خواجہ سراؤں کے کردار کو ایک جزوی حیثیت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جیسے کہ ڈراما "الف اللہ اور انسان" میں شامو نامی خواجہ سرا کو زندگی میں درپیش ابتدائی مسائل جن میں ایک پیار کرنے والا خاندان رکھنے کے مواقع، تعلیم تک رسائی وغیرہ جیسے مختلف پہلو موجود نہیں ہیں۔

۵۔ تحقیق کے دوران سامنے آنے والے ان کی زندگی کے مسائل دیکھتے ہوئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈراموں میں ان کی زندگی کے مسائل کا مکمل طور پر احاطہ نا کرتے ہوئے صرف اتنا ہی حصہ پیش کیا گیا ہے جتنا ڈرامے کے کردار کی ضرورت تھی یعنی اتنی ہی حقیقت کو عیاں کیا گیا ہے۔

٦۔مزید یہ کہ اس تحقیق سے اس امر سے بھی پردہ فاش کیا جاتا ہے کہ اب بھی خواجہ سراؤں کے ساتھ امتیازی سلوک رواں رکھا جاتا ہے۔انہیں جبری جسم فروشی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ان کے حقوق کی حق تلفی کی جاتی ہے۔ اس پسے ہوئے طبقے کی آواز سننا معاشرے کو گوارا نہیں۔مزید یہ کہ معاشرے کے دیگر شہری ان کے حقوق سے متعلق ذرا بھر معلومات نہیں رکھتے ہیں۔ جس کے باعث معاشرہ خواجہ سراؤں کی نفسیاتی اور مالی مشکلات کو حل کرنے میں معاون ثابت نہیں ہوتا ہے۔

۷۔یہ تحقیق انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور صنفی شناخت کی بنیاد پر تعصبات جو کہ اب بھی بڑے پیمانے پر موجود ہیں سے بھی پردہ اٹھاتی دکھائی دیتی ہے۔

۸۔ایک اہم پہلو یہ بھی سامنے آتا ہے کہ خواجہ سراؤں کی زندگی کو منتخب کیے گئے ٹی وی ڈراموں میں کچھ مثبت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ بعض معاملات میں ان کے لیے آسانی پیدا کی گئی ہے جیسے کہ ڈراما "الف اللہ اور انسان" میں جب شاموجو کہ خواجہ سرا ہے، کو ملازمت کے سلسلے میں زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑتی اور اسی دوران دوسرے شہر جاتے ہوئے رہائش کا مسئلہ بھی باآسانی حل ہو جاتا ہے۔اس طرح اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ بعض مقامات پر خواجہ سراؤں کی زندگی کو مثبت طور پر پیش کیا گیا ہے یعنی معاشرے کا مثبت رویہ دیکھنے کو ملتا ہے۔

۹۔جہاں تک خواجہ سراؤں کی حقیقی زندگی کا تعلق ہے،ان سے لیے گئے انٹرویو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج کے دور میں چونکہ خواجہ سرا بھی اپنے حقوق کی ادائیگی کے لیے پرجوش دکھائی دیتے ہیں۔اس لیے آہستہ آہستہ ان کے مسائل تبدیلی کے مراحل سے گزرتے جا رہے ہیں اور اس سلسلے میں چند پالیسیاں تشکیل دی جا چکی ہیں۔

ج۔سفارشات:

۱۔پاکستان میں خواجہ سراؤں کے حقوق اور ان کو فراہم کیے جانے والے قانونی تحفظات کے تحت جائزہ لینا چاہیے۔

۲۔خواجہ سراؤں کی معاشی حالت،روزگار کے مواقع،اوران کی اقتصادی شمولیت کے حوالے سے تحقیق ممکن ہے۔

3۔خواجہ سراؤں کی صحت کے مسائل،ان کی صحت کی خدمات تک رسائی اور خاص طور پر HIV/AIDS جیسے موضوعات پر تحقیق۔

4۔خواجہ سراؤں کے نفسیاتی مسائل،ذہنی صحت،اوران کے لیے فراہم کی جانے والی مدد کا جائزہ۔

5۔پاکستانی میڈیا میں خواجہ سراؤں کی نمائندگی،stereotypingاوراس کے معاشرتی اثرات کا مطالعہ۔

6۔پاکستانی ثقافت اور مذہب میں خواجہ سراؤں کے کردار اوران کی حیثیت کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

کتابیات

بنیادی مآخذ:

اسماء نبیل، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، خدا میرا بھی ہے، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، ۱ مارچ ۲۰۲۴ء، 8:30 PM

قیصرہ حیات، خوجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، الف اللہ اور انسان ، https://youtu.be/vTl9_UAdT0M?si=vzuwP7FSmCQgfR9j

عدیل رزاق، خواجہ سراؤں سے متعلق ڈراما، سر راہ، https://youtu.be/pY5CMhN8Aew?si=-PDidI2tSYMoVRrW، ۲ مارچ ۲۰۲۴ء، 7:30 PM

ثانوی مآخذ:

احمد بختیار اشرف، ڈاکٹر، اردو سٹیج ڈراما، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

اختر حسین بلوچ، تیسری جنس، کراچی، علم وادب، پبلشر اینڈ بک سیلر، ۲۰۲۰ء

اسلم قریشی، ڈاکٹر، اردو ڈرامے میں نئے رجحانات، مجلس ترقی ادب, لاہور، س۔ن

اسلم قریشی, ڈاکٹر، برصغیر کا ڈراما، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء

اسلم قریشی، ڈاکٹر، ڈراما نگاری کا فن، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۱ء

انجمن آرا انجم، آغا حشر کاشمیری اور اردو ڈراما، علی گڑھ، ۱۹۷۹ء

اے آر خالد، ٹیلی ویژن اور ابلاغ، مکتبہ کاروان، لاہور، ۱۹۸٤ء

آغا ناصر، آغا ناصر کے ٹی وی ڈرامے، القادر پرنٹنگ، القادر پرنٹنگ پریس، کراچی، ۱۹۸۸ء

آفاق احمد، ٹی وی ڈرامے، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۵ء

جمیل جالبی، پاکستانی کلچر مشتاق بک ڈپو، کراچی، ۱۹٦٤ء

جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی لغت، المحمر پبلشنگ اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

سیف الرحمن رانا، درمیانے: تحقیق وتدوین، لاہور، برائے: نگارشات پبلشرز، ۲۴، منرنگ روڈ، ۲۰۱۲ء

عشرت رحمانی، اردو ڈراما (تاریخ و تنقید)، اردو مرکز، لاہور، ۱۹۵۷ء

مبارک علی، ڈاکٹر، مسلم معاشرے کا تاریخی المیہ، تاریخ پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء

مبارک علی، ڈاکٹر، معاشرہ اور تاریخ، تاریخ پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء

انگریزی کتاب:

W.D. Halls , (Translated) The Rules of Sociological Method, by Emile Durkheim

رسائل و جرائد:

سالنامہ، قند، ادبی مجلہ، ڈراما نمبر ۱۴تا۱۵، شمارہ فروری، ۱۹۷۶ء

ادبی مجلہ "ذوق" خواجہ سرا نمبر، ذوق پبلی کیشنز، اٹک، جنوری ۲۰۲۳

غیر مطبوعہ مقالہ:

جمیل احمد باروی، لاہور ٹیلی ویژن سنٹر کے منتخب اردو ڈرامے (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)، مقالہ برائے ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء

عظمی شوکت، پاکستان ٹیلی وژن کے سلسلہ وار اردو ڈرامے میں پاکستان اور سندھ کے جاگیر دارانہ سماج کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ ڈی نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء

فیاض اللہ، فرہنگِ اصطلاحات، خواجہ سرا، مع مقدمہ و توضیحات، مقالہ برائے ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۲۰ء

انٹرویو

ماریہ، (انٹرویو)، مقالہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، یکم اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

امبر، (انٹرویو)، مقالہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، یکم اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

شیلا رانی، (انٹرویو)، مقالہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، یکم اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

آیانہ، (انٹرویو)، مقالہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، یکم اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

آئمہ، (انٹرویو)، مقالہ نگار شمائلہ ندیم، دریچہ ہیلتھ سوسائٹی، راولپنڈی، یکم اگست ۲۰۲۴، بوقت ساڑھے بارہ بجے دن

ضمیمہ جات

سوالنامہ

1	کیاآپ اپنے خاندانی رشتوں کے رویوں سے مطمئن ہیں؟	جی ہاں	جی نہیں
2	کیامعاشرے میں لوگوں کے رویوں سے آپ خود کو محفوظ محسوس کرتے ہیں؟	جی ہاں	جی نہیں
3	دوران تعلیم کیاآپ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟	جی ہاں	جی نہیں
4	کیا تعلیمی سرگرمیوں کے دوران آپ کے اساتذہ آپ کے لیے معاون ثابت ہوئے؟	جی ہاں	جی نہیں
5	کیاآپ کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے مناسب پیشہ موجود ہے؟	جی ہاں	جی نہیں
6	دورانِ ملازمت اپ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا ہے کیاوہ اطمینان بخش ہے؟	جی ہاں	جی نہیں
7	کیاآپ کی کمیونیٹی معاشرے کی بھلائی میں خاص کردار ادا کر سکتے ہیں؟	جی ہاں	جی نہیں
8	کیاآپ کی زندگی ڈراموں میں دکھائی گئی زندگی سے مطابقت رکھتی ہے؟	جی ہاں	جی نہیں
9	کیاآپ ڈراموں میں دکھائے گئے اپنے ظاہری خدوخال سے مطمئن ہیں؟	جی ہاں	جی نہیں
10	کیاآپ روزمرہ زندگی میں اپنے آپ کو محفوظ محسوس کرتے ہیں؟	جی ہاں	جی نہیں
11	کیاآپ اپنی جنسی زندگی سے مطمئن ہیں؟	جی ہاں	جی نہیں
12	کیاروزمرہ کاموں کی ادائیگی کے لیے آپ کو طبّی علاج کی ضرورت پڑتی ہے؟	جی ہاں	جی نہیں
13	کیاآپ اپنی رہائش کی جگہ کے حالات سے مطمئن ہیں؟	جی ہاں	جی نہیں
14	کیاآپ اپنی زندگی کو بامعنی محسوس کرتے ہیں؟	جی ہاں	جی نہیں
15	کیاآپ طبّی سہولتوں تک اپنی رسائی سے مطمئن ہیں؟	جی ہاں	جی نہیں